ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی کا ترجمان

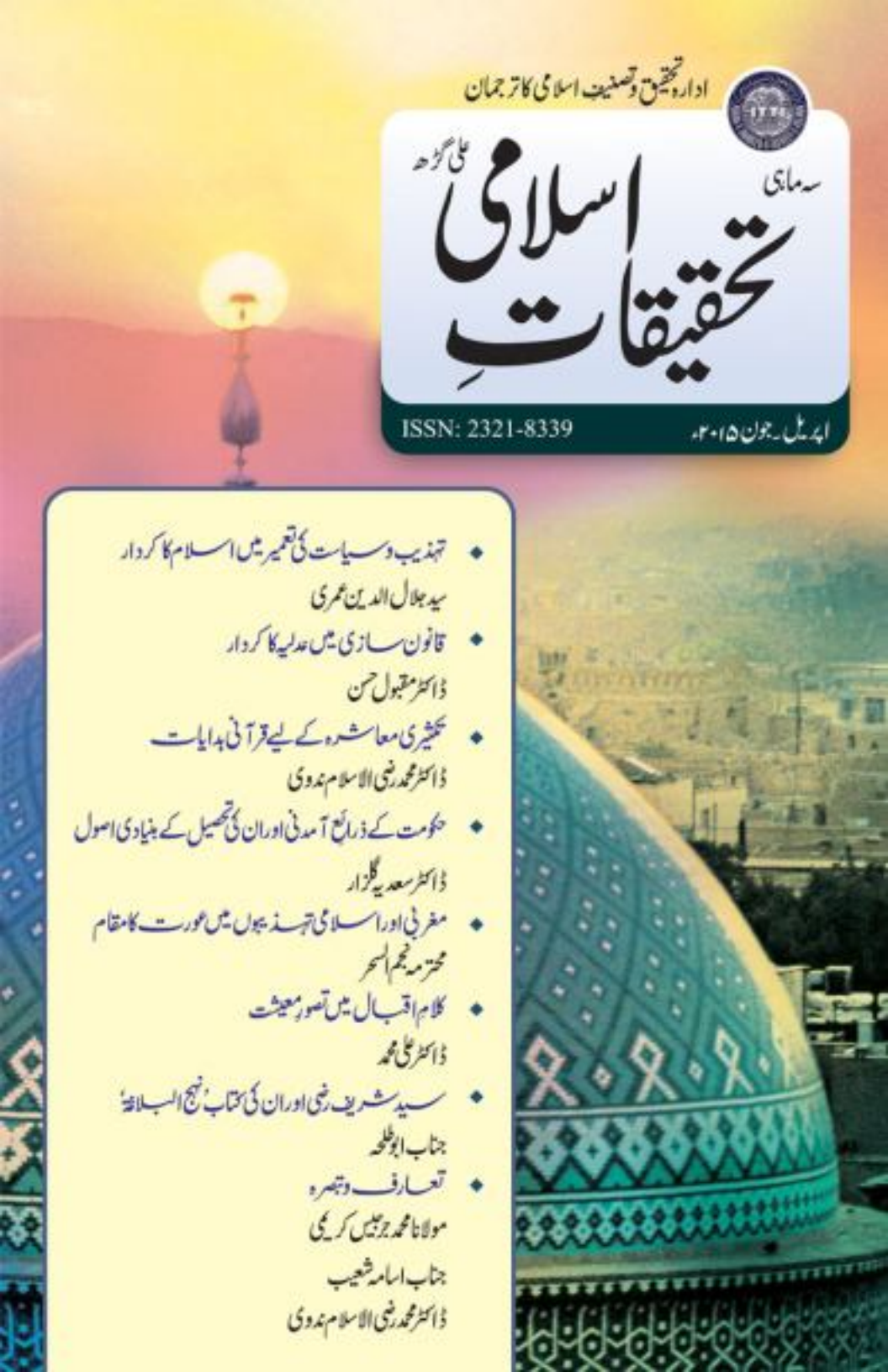

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

ISSN: 2321-8339

اپریل۔جون ۲۰۱۵ء

- تہذیب وسیاست کی تعمیر میں اسلام کا کردار
  سید جلال الدین عمری
- قانون سازی میں عدلیہ کا کردار
  ڈاکٹر مقبول حسن
- تکثیری معاشرہ کے لیے قرآنی ہدایات
  ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی
- حکومت کے ذرائع آمدنی اور ان کی تحصیل کے بنیادی اصول
  ڈاکٹر سعدیہ گلزار
- مغربی اور اسلامی تہذیبوں میں عورت کا مقام
  محترمہ نجم السحر
- کلام اقبال میں تصورِ معیشت
  ڈاکٹر علی محمد
- سید شریف رضی اور ان کی کتاب 'نہج البلاغۃ'
  جناب ابوطلحہ
- تعارف وتبصرہ
  مولانا محمد برہان کریمی
  جناب اسامہ شعیب
  ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کے منصوبہ کے تحت تیار کردہ

۲ اہم کتابیں

اسلام کی امتیازی خصوصیات ..... مولانا محمد جرجیس کریمی

اس کتاب میں مصنف نے اسلام کی چند اہم اور نمایاں خصوصیات کا مطالعہ پیش کیا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں اسلام کی خصوصیات اور محاسن کی تلاش اور مطالعہ کا رجحان پیدا ہو اور اس پر ان کا اعتماد و ایمان بھی بحال ہوتا کہ وہ اپنے دین کی حقانیت اور ہمہ گیری کے بارے میں کسی شک وشبہ میں مبتلا نہ ہوں۔

● سائز: $\frac{23 \times 36}{16}$ ● صفحات: 212 ● قیمت: 100.00

حضرت ابراہیمؑ - امامِ انسانیت ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

اس کتاب میں ابوالانبیاء خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی داعیانہ زندگی اور دعوتی وتبلیغی جدّ وجہد کا ایک جامع مرقع پیش کیا گیا ہے اور ملّتِ ابراہیمی کے بنیادی عناصر، ملّتِ ابراہیمی کے حاملین، ملّتِ ابراہیمی سے انحراف، ملّتِ ابراہیمی اور اسلام، نصاریٰ اور ملّتِ ابراہیمی جیسے اہم موضوعات پر محققانہ اور داعیانہ بحث کی گئی ہے۔ ایک ایسی جامع اور تحقیقی کتاب جو ملّتِ ابراہیمی سے متعارف کرانے کے ساتھ اسوۂ ابراہیمی سے بھی روشناس کراتی ہے۔

● سائز: $\frac{23 \times 36}{16}$ ● صفحات: 200 ● قیمت: 85.00

ملنے کے پتے

۱۔ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، نئی نگر، پوسٹ بکس ۹۳، علی گڑھ۔ ۲

۲۔ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز D-307 ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵

ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

اپریل ــــــــــــــــــــ جون ۲۰۱۵ء

مدیر

سیّد جلال الدین عمری

معاون مدیر

محمد رضی الاسلام ندوی

نبی نگر (جمال پور)، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ۔ ۲۰۲۰۰۲

ISSN: 2321-8339

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ

جلد: ۳۴ شمارہ: ۲

جمادی الاخری ——— رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ

اپریل ——— جون ۲۰۱۵ء

- مجلہ کے تمام شمارے www.tahqeeqat.net پر لوڈ کر دیے گئے ہیں
- مقالہ نگار حضرات اپنے مقالات صرف tahqeeqat@gmail.com پر ارسال کریں۔
- انتظامی امور سے متعلق رابطہ کے ذرائع:

فون: 0571-2902034 موبائل: 09897655171

ای میل: tahqeeqat_islami@yahoo.com tahqeeqateislami@gmail.com

زرِ تعاون

اندرونِ ملک

فی شمارہ	۴۰ روپے
سالانہ	۱۵۰ روپے
پانچ سال کے لیے	۶۰۰ روپے
سالانہ (لائبریریاں وادارے)	۲۰۰ روپے

برائے پاکستان

سالانہ (انفرادی)	۲۰/امریکی ڈالر
سالانہ (ادارے)	۲۵/امریکی ڈالر

برائے دیگر ممالک

سالانہ (انفرادی)	۲۵/امریکی ڈالر
سالانہ (ادارے)	۳۰/امریکی ڈالر

طابع وناشر سید جلال الدین عمری نے بھارت آفسیٹ دہلی-۶ سے چھپوا کر ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی، نبی نگر (جمال پور)، علی گڑھ سے شائع کیا

فہرست مضامین

حرف آغاز

تہذیب وسیاست کی تعمیر میں اسلام کا کردار — سید جلال الدین عمری — ۵

تحقیق وتنقید

قانون سازی میں عدلیہ کا کردار — ڈاکٹر مقبول حسن — ۱۷

بحث ونظر

تکثیری معاشرہ کے لیے قرآنی ہدایات — ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی — ۲۹

حکومت کے ذرائع آمدنی اوران کی تحصیل کے بنیادی اصول — ڈاکٹر سعدیہ گلزار — ۵۳

مغربی اوراسلامی تہذیبوں میں عورت کا مقام [مریم جمیلہ کے افکار کا مطالعہ] — محترمہ نجم السحر — ۷۳

کلامِ اقبال میں تصورِ معیشت — ڈاکٹر علی محمد — ۸۵

سیر وسوانح

سید شریف رضی اوران کی کتاب 'نہج البلاغۃ' — جناب ابوطلحہ — ۱۰۱

تعارف وتبصرہ

قرآنی مطالعات — مولانا محمد جرجیس کریمی — ۱۱۱

مسلم اسپین (تہذیبی وثقافتی تاریخ) — جناب اسامہ شعیب — ۱۱۳

عہد اورنگ زیب میں علماء کی خدمات — ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی — ۱۱۴

فکر کی غلطی — ،، ،، ،، — ۱۱۶

دینی رسائل کے اشاریے — ،، ،، ،، — ۱۱۷

خبرنامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی (۵۵) — ۱۱۹

مضامین کا انگریزی خلاصہ — ۱۲۱-۱۲۸

اس شمارے کے لکھنے والے

۱۔ ڈاکٹر مقبول حسن

صدر شعبۂ اسلامیات، بحریہ کالج کارساز، کراچی (پاکستان)

maqboolhassan313@gmail.com

۲۔ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

سکریٹری تصنیفی اکیڈمی، جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی

mrnadvi@yahoo.com

۳۔ ڈاکٹر سعدیہ گلزار

لکچرر شعبۂ اسلامیات، لاہور کالج برائے خواتین یونی ورسٹی، لاہور

sadiagulzar_lcwu@yahoo.com

۴۔ محترمہ نجم السحر

ریسرچ اسکالر، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی

najmu.sahar@gmail.com

۵۔ ڈاکٹر علی محمد

اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، اسلامک یونی ورسٹی آف سائنس اینڈ ٹکنالوجی، اونتی پورہ، کشمیر alimohd1265@gmail.com

۶۔ جناب ابوطلحہ

ریسرچ اسکالر، شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ

abutalhaalig86@gmail.com

۷۔ مولانا محمد جرجیس کریمی

رکن ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ

jarjees.karimi@yahoo.com

۸۔ جناب اسامہ شعیب

ریسرچ اسکالر، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

usama9911@gmail.com

۹۔ سید جلال الدین عمری

صدر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

حرف آغاز

تہذیب وسیاست کی تعمیر میں اسلام کا کردار

——————— سید جلال الدین عمری

گزشتہ سال ۲۳۔ ۲۴؍فروری ۲۰۱۴ء میں ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کے زیر اہتمام ایک سمینار منعقد ہوا تھا۔ اس میں صدرِادارہ وامیر جماعت اسلامی ہند مولانا سید جلال الدین عمری نے سمینار کے مرکزی موضوع پر کلیدی خطاب فرمایا تھا۔ کچھ باتیں زبانی بھی پیش کی تھیں۔ انھیں تحریری شکل دی گئی۔ اب مولانا کی نظر ثانی اور جزوی حذف و اضافہ کے بعد اسے افادۂ عام کی غرض سے یہاں شائع کیا جارہا ہے۔ یہ مضمون سمینار کے مجموعۂ مقالات میں بھی شامل ہے، جو عن قریب شائع ہونے والا ہے۔ (رضی الاسلام)

الحمد لله رب العالمين و الصلوة و السلام على رسوله الكريم وعلى آله و صحبه اجمعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين۔

صدر محترم! جناب ظفر الاسلام خاں صاحب، صدر مسلم مجلس مشاورت وایڈیٹر ملی گزٹ، جناب نصرت علی صاحب، قیم جماعت اسلامی ہند، ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی صاحب، سکریٹری ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی وکنوینر سمینار، مولانا محمد جرجیس کریمی صاحب، معاون کنوینر و رکن ادارہ، بزرگو، دوستو اور محترم خواتین!

موضوع کی عصری اہمیت

میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے ادارۂ تحقیق کو عصری اہمیت کے حامل ایک اہم موضوع پر سمینار منعقد کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

ہم سب جانتے ہیں کہ تہذیب اور سیاست کا بڑا گہرا رشتہ ہے۔ تہذیب سیاست پر اور سیاست تہذیب پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ ان

دونوں کا تعلق فرد سے بھی ہے اور سماج سے بھی۔آج یہ عالمی سطح پر ایک اہم اور زندہ موضوع ہے، جس پر مختلف پہلوؤں سے بحث ہورہی ہے۔

تہذیبوں کا تنوع

کسی قوم کی تہذیب سے اس کے مذہبی خیالات، روایات، رسم ورواج، لباس، وضع قطع، تقریبات، شادی بیاہ کے اصول وضوابط، مسرت وشادمانی اور رنج وغم کے اظہار کے طریقے، کھیل کود اور تفریحات مراد ہوتی ہیں۔علم وادب، آرٹ اور فنون لطیفہ بھی تہذیب کے مظاہر ہیں۔ہر قوم کو اپنی تہذیب عزیز ہوتی ہے، اس لیے کہ اس سے اس کی پہچان ہوتی ہے اور دوسروں سے اس کا امتیاز قائم ہوتا اور انفرادیت ظاہر ہوتی ہے۔تہذیب کے بعض اصول وضوابط مستقل ہوتے ہیں اور مختلف عوامل کے زیر اثر وہ تبدیلی بھی قبول کرتی ہے۔تہذیبوں کے درمیان کئی پہلوؤں سے فرق و امتیاز واقع ہوتا ہے۔ جو قبائل جنگلات یا پہاڑوں میں رہتے ہیں ان کی تہذیب میدانی علاقوں کے باشندوں سے مختلف ہوتی ہے۔اسی طرح شہری اور دیہاتی تہذیبوں میں فرق ہوتا ہے۔ شہر کے باشندوں کے بہت سے طور طریقے دیہات کے رہنے والوں سے جدا ہوتے ہیں۔تہذیب پر تعلیم اور تمدن کا بھی اثر پڑتا ہے۔جو قومیں تعلیم اور تمدن کے میدان میں آگے ہوتی ہیں ان کی تہذیب ان قوموں کی تہذیب سے بڑی حد تک جدا ہوتی ہے جو جہالت کا شکار ہوتی ہیں یا جن میں تعلیمی پس ماندگی پائی جاتی ہے۔تمدنی ترقی اور عدم ترقی سے بھی تہذیبوں میں نمایاں فرق واقع ہوجاتا ہے۔تہذیب کا معیشت سے بھی گہرا تعلق ہے۔تاریخ کے ابتدائی دور میں انسان کی بود وباش اور معاشی تگ ودو محدود علاقہ میں ہوتی تھی، اس کی معیشت کا دارومدار زیادہ تر زراعت، مویشی پالنے اور چھوٹی موٹی دست کاری پر تھا۔لیکن جب صنعتی انقلاب آیا، بڑے بڑے کارخانے قائم ہوئے، تجارت نے ترقی کی اور قوموں کے درمیان آمدورفت بڑھی تو تہذیب اور کلچر میں بھی فرق واقع ہوا۔

تہذیبوں کے اختلاط کے اثرات

تہذیبوں کا اختلاط بھی ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتا ہے اور وہ شعوری یا

غیر شعوری طور پر ایک دوسرے کے طور طریقے اور رسم ورواج اختیار کرنے لگتے ہیں۔ اسی طرح مغلوب قوموں میں غالب اقوام کی تہذیب کو نقل کرنے کی نفسیات پائی جاتی ہے اور وہ ان کی تہذیب کو آہستہ آہستہ قبول کرتی چلی جاتی ہیں، بلکہ بعض اوقات اس میں فخر محسوس کرنے لگتی ہیں۔ اس سب کے باوجود ہر قوم کی تہذیب میں انفرادیت بھی پائی جاتی ہے۔ اس کا تعلق اس کے مذہبی خیالات اور ان روایات سے ہوتا ہے، جن کی وہ ہر حال میں پابند رہتی ہے یا رہنا چاہتی ہے۔

تہذیب کے سلسلے میں اسلامی اصول

اسلام کی اساس توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد پر ہے۔ وہ اسی پر زندگی کے تمام شعبوں کی تعمیر کرتا ہے۔ اس کی تہذیب بھی اسی اساس پر استوار ہوتی ہے۔ یہ اصولی طور پر ان تہذیبوں سے مختلف ہے جن میں نہ تو خدا کا کوئی واضح تصور ہے اور نہ وحی ورسالت اور آخرت ہی کو وہ تسلیم کرتی ہیں۔

اسلام اپنے عقیدے اور فکر کے لحاظ سے ایک عالم گیر دین ہے۔ اس کا تعلق کسی خاص قوم یا علاقہ سے نہیں ہے، اس لیے اس نے کسی خاص قوم کی تہذیب کو اختیار نہیں کیا، بلکہ تہذیب کے سلسلے میں بعض اصول فراہم کیے ہیں۔ ان کی پابندی اور نگہ داشت کے ساتھ ہر قوم اپنی اپنی تہذیب پر عمل کرسکتی ہے۔ ان میں سے بعض اصولوں کی یہاں وضاحت کی جارہی ہے:

۱۔ تہذیب شرک سے پاک ہو:

پہلی بات یہ کہ یہ تہذیب شرک سے پاک ہے۔ اسلام عقیدۂ توحید کا قائل ہے۔ وہ کسی ایسی تہذیب کو صحیح نہیں سمجھتا جس میں خدا کا انکار یا شرک کی آمیزش ہو، وحی و رسالت کو فریب سمجھا جائے یا آخرت سے بے نیازی اختیار کی جائے اور دنیا ہی کو مقصد بنا دیا جائے، اس لیے کہ یہ اس کے بنیادی فکر کے متصادم ہے۔ اس پہلو سے وہ مشرکانہ تہذیب کے خلاف ہے، جس میں دیوی دیوتاؤں یا اصنام پرستی یا مظاہر کائنات کی پرستش ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ کسی ایسے کلچر کی بھی اجازت نہیں دیتا جس میں مذاہب اور

ان کی محترم شخصیتوں کا عدمِ احترام پایا جاتا ہو۔

۲۔ اخلاق کی پابندی:

اسلامی تہذیب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اسلام تہذیب اور کلچر کے نام پر عریانی اور بے حیائی کی اجازت نہیں دیتا۔ اس طرح کے ادب، آرٹ یا منظر کشی کو صحیح نہیں سمجھتا جو بد اخلاقی پر مبنی ہو، یا جس سے حیا اور شرم کا فطری جذبہ مجروح ہو۔ اسی طرح وہ اس تہذیب کی بھی ہمت شکنی کرتا اور اسے غلط قرار دیتا ہے جو 'لہو الحدیث' میں شامل ہو، جس سے سفلی جذبات ابھریں اور اعلیٰ مقاصدِ حیات کو نقصان پہنچے۔

اسلام اس کلچر کو بھی صحیح نہیں سمجھتا جس میں دنیا مقصودِ حیات ہو اور انسان اسی زندگی کو اول و آخر سمجھنے لگے۔ عیش وعشرت کا مظاہرہ ہو، رنگ رلیاں ہوں، شباب و کباب ہو، 'بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست' کے تصور کے ساتھ آدمی یہ حیاتِ چند روزہ گزارے۔ وہ اسے خدا پرستوں کا نہیں، بلکہ منکرینِ خدا و آخرت کا ذہن قرار دیتا ہے:
يَعۡلَمُوۡنَ ظَاهِرًا مِّنَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۖۚ وَهُمۡ عَنِ الۡاٰخِرَةِ هُمۡ غٰفِلُوۡنَ (الروم: ۷) ''یہ لوگ دنیا کی زندگی کا بس ظاہری پہلو جانتے ہیں اور آخرت سے بالکل غافل ہیں۔''

اسلامی تہذیب کے بعض مظاہر

اسلام نے تہذیب کے سلسلے میں اس طرح کے جو اصول فراہم کیے ہیں، ان کی پابندی کے ساتھ ہر قوم اپنی تہذیب پر عمل کرسکتی ہے۔ اسے دو ایک مثالوں سے بہ آسانی سمجھا جاسکتا ہے:

تہذیب اور کلچر میں تقریبات، دعوت وضیافت، خورد و نوش کے طریقے بھی آتے ہیں۔ بعض چیزیں پسند کی جاتی ہیں، بعض ناپسند۔ افراد کے ساتھ بھی یہ معاملہ ہوتا ہے اور قوموں کے ساتھ بھی۔ قوموں کی روایات اور معمولات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اسلام نے اس سلسلے میں صرف اصولی ہدایات دی ہیں اور ہر قوم کے لیے اپنے کلچر کی گنجائش رکھی ہے۔ اس نے کہا کہ اللہ نے کھانے پینے کی چیزوں میں چند ایک کو حرام کیا ہے، ان کی تفصیل اس نے بتادی ہے: وَقَدۡ فَصَّلَ لَكُمۡ مَّا حَرَّمَ عَلَيۡكُمۡ۔ (الانعام: ۱۱۹) ''جن

چیزوں کا استعمال اللہ نے حرام کر دیا ہے، ان کی تفصیل وہ تمھیں بتا چکا ہے۔'' اس کے علاوہ سب ہی چیزیں حلال ہیں، ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اس نے گوشت کو انسانی غذا کا حصہ قرار دیا اور گوشت خوری کو جائز قرار دیا، البتہ ہدایت کی کہ مباح جانور بھی ذبح ہو تو اللہ کے نام پر ہو: فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ۔ (الانعام: ۱۱۸) ''پھر اگر تم لوگ اللہ کی آیات پر ایمان رکھتے ہو تو جس جانور پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اس کا گوشت کھاؤ۔'' غیر اللہ کے نام پر کیا گیا ذبیحہ جائز نہیں ہے: وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ۔ (الانعام: ۱۲۱) ''اور جس جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح نہ کیا گیا ہو اس کا گوشت نہ کھاؤ۔ ایسا کرنا فسق ہے۔'' کھانے پینے کا طریقہ کیا ہو؟ گھر کے سب لوگ ایک ساتھ کھائیں یا الگ الگ کھا سکتے ہیں؟ قرآن نے کہا: جس میں سہولت ہو یا جس کا رواج ہو، اس پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا۔ (النور: ۶۱) ''اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ تم لوگ مل کر کھاؤ یا الگ الگ۔''

اس کی ایک اور مثال لباس کی ہے۔ گرم ملکوں کا لباس ٹھنڈے ملکوں کے لباس سے الگ ہوتا ہے۔ اس میں قوموں اور ملکوں کے حالات اور سماجی روایات کا عمل دخل بھی دیکھا جاتا ہے۔ اس پہلو سے ہر قوم کی کی تہذیب کی نمائندگی ہوتی ہے۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو کسی خاص لباس کا پابند نہیں بنایا، بلکہ اصولی ہدایات دیں۔ اس نے عریانی کو ختم کیا، مرد اور عورت کے ستر کے حدود مقرر کیے کہ دونوں کے لباس اس سے کم نہ ہوں۔ اس کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ مرد اور عورت کے لباس میں فرق ہونا چاہیے۔ اس نے کہا کہ لباس وجہِ زینت بھی ہے، اس کا اہتمام کیا جاسکتا ہے۔ اس کے ساتھ اس نے تشبّہ سے منع کیا، یعنی ایسے لباس سے احتراز کیا جائے جو کسی دوسری قوم کی تہذیبی شناخت ہو اور اس کے استعمال سے ایک مسلمان کی شناخت ختم ہو جائے: من تشبّہ بقوم فھو منھم۔ (ابوداؤد: ۴۰۳۱) ''جس شخص نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے۔'' اسی طرح بعض اور اصولی ہدایات بھی دیں، مثلاً یہ کہ مردوں کو ریشم اور سونے کا استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ اسی طرح شادی بیاہ کے ذیل میں بھی بعض اصولی ہدایات دی گئیں، مثلاً بیوی کی رضامندی ہو، مہر کا تعین ہو،

اعلانِ نکاح ہو اور سادگی ہو۔ باقی چیزیں، جو خوشی کے موقع پر اختیار کی جاتی ہیں، انھیں رسم و رواج پر چھوڑ دیا گیا۔

اسلامی تہذیب پر اغیار کے حملے

مغرب نے اپنے سیاسی غلبہ اور استحکام کے لیے جو تدابیر اختیار کیں، ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اس نے اسلام کے سیاسی تصورات کو ہدفِ تنقید بنایا اور انھیں دورِ حاضر کے لیے ناقابلِ عمل ثابت کرنے کی سعی کی۔ مغرب کے سیاسی غلبہ کے ساتھ اس کی تہذیبی یلغار بھی جاری رہی۔ اسلامی تہذیب کو دورِ جاہلیت کی یادگار قرار دیا گیا، بلکہ ایک طرح سے اسے تضحیک کا نشانہ بنایا گیا۔ یہ کام علمی سطح پر اور منظم طریقہ سے اب بھی جاری ہے۔ مسلمان مفکرین، جو مغربی طرزِ حیات سے متاثر و مرعوب تھے، انھوں نے اس کی تائید بھی کی، یا زیادہ سے زیادہ اسلام کو مغربی افکار سے ہم آہنگ ثابت کرنے کی سعی کی، لیکن جن اصحابِ علم کی اسلامی تعلیمات پر گہری نظر تھی، انھوں نے اس مرعوبیت کو قبول نہیں کیا۔ انھوں نے اسلام کے سیاسی اور تہذیبی تصورات کی معقولیت اور برتری ثابت کی اور مغرب کی فکری و عملی کم زوریوں کی نشان دہی کی۔ یہ کاوشیں پہلے بھی ہو رہی تھیں، اب بھی جاری ہیں۔ حال میں مغرب کے ایک سیاسی مفکر Samuel P. Huntington نے ۱۹۹۲ء میں اپنی کتاب Clash of Civilizations میں اس بحث کو ایک نیا رخ دینے کی کوشش کی۔ اس نے اسے تہذیبوں کا ٹکراؤ قرار دیا ہے۔ اس نے بتایا کہ سرد جنگ کے خاتمہ کے ساتھ نظریاتی جنگ ختم ہوگئی۔ اب دنیا میں جنگ معیشت اور سیاست کی بنیاد پر نہیں، بلکہ تہذیب و کلچر کی بنیاد پر ہوگی۔ اپنی بحث میں اس نے خاص طور پر اسلام اور مغرب کو ایک دوسرے کے حریف کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور اس کے اسباب بھی بیان کیے ہیں۔

Huntington نے یہ بات تو صحیح کہی ہے کہ اسلام ایک نظریہ ہے جو اپنی حقانیت پر اصرار کرتا اور دنیا پر اپنا غلبہ چاہتا ہے اور مغرب بھی یہی چاہتا ہے، اس لیے تصادم جاری رہے گا، لیکن اس بحث میں اس نے عقیدہ اور کلچر کے فرق کو نظر انداز کر دیا

ہے۔ اسلام جس عقیدہ وفکر کا حامل ہے اس کو قبول کرنے سے انسان کے ذہن وفکر میں جو تبدیلی رونما ہوتی ہے اس کا اثر اقدارِ حیات کے تعیّن اور زندگی کے مختلف امور میں حسن وقبح، پسند وناپسند اور رد وقبول پر پڑتا ہے، لیکن جہاں تک کلچر اور رسوم وروایات کا تعلق ہے، اس کے جو اجزاء عقیدہ وفکر اور اس کے تصورِ حیات سے متصادم ہوں، ان کی وہ اصلاح کرتا ہے۔ باقی امور میں قومی وملکی روایات سے تعرض نہیں کرتا۔ چناں چہ اسلام جن علاقوں اور ملکوں میں پہنچا، وہاں کھانے پینے، لباس، زیب و زینت، نکاح اور معاشرت کے طریقے، خرید وفروخت کے معروفات میں کوئی تبدیلی نہیں کی، بلکہ کوئی خرابی تھی تو اس کی اصلاح کی۔ اس وجہ سے آپ دیکھیں گے کہ اسلام کے ساتھ مختلف مذاہب اور مختلف ملکوں کی تہذیبیں موجود ہیں۔ اسی طرح اس نے رہبانیت کے رجحان کو ختم کیا اور اس عیش وعشرت پر پابندی لگائی جو دولت کے ضیاع اور چند افراد کی نمود و نمائش اور فخر ومباہات کا ذریعہ بن جائے اور جس سے حق داروں کا حق تلف ہو۔ خود اہلِ عرب کا ایک کلچر تھا، اسلام نے اسے اصلاحات کے ساتھ باقی رکھا۔ اس موضوع پر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بڑی لمبی بحثیں کی ہیں۔ ان کا خلاصہ یہی ہے۔

اسلام کا سیاسی فکر

دوسرا موضوع ہے سیاست۔ سیاست کا اطلاق عموماً دو امور پر ہوتا ہے: ایک سیاسی عقیدہ اور فکر اور دوسرا نظامِ سیاست۔ دونوں کو عام طور پر Politics کہا جاتا ہے۔ اسلام کا اپنا سیاسی فکر بھی ہے اور اس کا اپنا نظامِ سیاست بھی ہے۔ دونوں چیزوں کا تعلق انسان کے مجموعی تصورِ حیات سے ہے، جسے اسلام 'الدین' سے تعبیر کرتا ہے، اس کے نزدیک اسلام ہی اللہ کا دین ہے۔ یہی اللہ کے تمام رسولوں کا دین رہا ہے: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔ (آل عمران: ۱۹) ''اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے''۔

اسلام کے معنیٰ ہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے سر جھکا دینا اور اس کے حکم کی تابع داری کرنا۔ یہ پوری زندگی اور اس کے تمام شعبوں میں لازم ہے۔ سیاست اسی کا ایک حصہ ہے۔ اس کی دلیل میں قرآن کہتا ہے کہ پوری کائنات اسلام ہی پر قائم ہے، آسمان و زمین اور ان

میں پائی جانے والی تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے تابع ہیں۔ وہ اس سے سرمو روگردانی ،انحراف یا مخالفت نہیں کرتی ہیں۔ انسان اسی کائنات کا جز ہے۔ اسے بھی اسی کی اطاعت وفرماں برداری کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ اس سے انحراف اس کے لیے جائز نہیں ہے۔ چنانچہ جولوگ اسلام سے ہٹ کر کوئی دوسری راہ اختیار کرتے ہیں، ان کے بارے میں وہ کہتا ہے: اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰہِ یَبْغُوْنَ وَلَہٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعاً وَّ کَرْھاً (آل عمران: ۸۳) ''کیا یہ لوگ اللہ کی اطاعت کا طریقہ چھوڑ کر کوئی اور طریقہ چاہتے ہیں، حالاں کہ آسمان و زمین کی ساری چیزیں چار و ناچار اللہ ہی کی تابع فرمان ہیں۔'' اسی سیاق میں آگے کہا گیا ہے: وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْناً فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (آل عمران: ۸۵) ''اسلام (اللہ کی اس فرماں برداری) کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد ہوگا۔'' سیاست میں بنیادی سوال اقتدار اعلیٰ (Sovereignly) کا ہے۔ اقتدار اعلیٰ سے مراد یہ ہے کہ اس کا حکم آخری اور حتمی ہو، اس کے فرمان کو کہیں چیلنج نہ کیا جاسکے، اس سے سرتابی کا کسی کو حق نہ ہو۔ اسلام کے نزدیک یہ مقام صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاصل ہے، اس لیے کہ وہی اپنی مخلوق کا مالک ہے اور وہی امر و نہی کا حق رکھتا ہے: اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ (الانعام: ۵۷) ''فیصلے کا سارا اختیار اللہ کو ہے۔'' اس کا مطالبہ ہے: اِتَّبِعُوا مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِہٖ اَوْلِیَاءَ (الاعراف: ۳۰) '' (اے لوگو!) جو کچھ تمھارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے، اس کی پیروی کرو اور اپنے رب کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔''

اسلام نے عقیدہ کے ساتھ اس پر مبنی نظامِ حیات بھی دیا ہے، جسے وہ شریعت یا شاہ راہِ حیات کہتا ہے۔ اس نے اس شریعت کی مکمل اتباع کا حکم دیا ہے:

ثُمَّ جَعَلْنٰکَ عَلٰی شَرِیْعَۃٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْھَا وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَاءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ (الجاثیۃ: ۱۸)

اس کے بعد اب (اے نبی) ہم نے تم کو دین کے معاملے میں ایک صاف شاہ راہ (شریعت) پر قائم کیا ہے۔ لہٰذا تم اسی پر چلو اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔

شریعت بعض امور میں تفصیلی ہدایت دیتی ہے، بعض میں اصول وکلیات فراہم کرتی ہے اور اولی الامر اور اصحاب الرأی کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ ان کی روشنی میں تفصیلات مرتب کریں۔ اس کے سلسلے میں اس نے یہ ہدایت کی ہے اسلام کے ماننے والے باہم مشورہ سے کوئی راستہ اختیار کریں۔ چنانچہ قرآن نے مسلمانوں کے متعلق کہا ہے: وَ اَمۡرُھُمۡ شُوۡرٰی بَیۡنَھُمۡ (الشوریٰ: ۳۸) ''ان کے معاملات باہم مشورے سے طے ہوتے ہیں۔'' اسلام نے اس کی شکل متعین نہیں کی، البتہ یہ ہدایت کی کہ جو بات طے ہو اس میں 'اولوالامرؔ' کی اطاعت کی جائے۔ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ۔ 'اولو الامرؔ' سے مراد حکام ہیں جن کے ہاتھ میں امر اور اختیار ہوتا ہے۔ اس سے علماء بھی مراد لیے گئے ہیں۔ اس لیے کہ اسلامی ریاست میں شریعت کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی ترجمانی ماہرینِ شریعت ہی کرسکتے ہیں۔ اس پہلو سے اربابِ اقتدار بھی علماء کے تابع ہوں گے۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ما بہ النزاع امور یا ایسے معاملات، جن میں اختلاف ہوسکتا ہے، ان میں اللہ اور رسول کی تعلیمات کی طرف رجوع کیا جائے۔ فیصلہ اس کے مطابق ہو۔ یہ اسلامی ریاست میں شریعت کی بالادستی کا اعلان ہے۔ اس کی پوری تفصیل سورۂ نساء کی اس آیت میں ہے: یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیۡرٌ وَّ اَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا۔ (النسائ: ۵۹) یہ بھی کہا کہ مشورہ چند مخصوص افراد کے ساتھ نہ ہو، بلکہ اولو الامرؔ کے درمیان ہو۔ اولوالامر سے مراد وہ لوگ ہیں جو سیاست میں حصہ لے رہے ہیں، ذمہ دار لوگ بھی ہیں۔ بعض تابعین نے کہا ہے کہ اولو الامر سے مراد علماء ہیں (تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر، دار الحدیث، القاھرۃ، ۲۰۰۵ئ، ۲/ ۳۸۴)

اسلامی سیاست کی بنیادیں

اسلامی سیاست جن بنیادوں پر قائم ہے اور اس سلسلے میں جو مقاصد اسلام کے

پیش نظر ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ **انسان کے بنیادی حقوق کی حفاظت:** اس میں جان، مال، عزت و آبرو، رہائش اور دوا و علاج جیسے بہت سے حقوق آتے ہیں۔

۲۔ **آزادیٔ فکر و نظر:** اس میں مذہب کی آزادی بھی شامل ہے: **لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔**(البقرۃ:۲۵۶) ''دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے''۔

۳۔ **معاشرہ سے فساد کا خاتمہ:** یہ انبیاء کرام کی تعلیمات کا لازمی جز رہا ہے: **وَ لَا تُفْسِدُوا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِھَا**(الاعراف: ۵۶) '' زمین میں فساد برپا نہ کرو، جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے۔''

۴۔ **امر بالمعروف و نہی عن المنکر:** قرآن اسے اسلامی ریاست کا بنیادی مقصد قرار دیتا ہے۔ معروفات کو عام کرنے اور منکرات کو ختم کرنے کی جدوجہد ترغیب و ترہیب اور تعلیم و تربیت کے ذریعہ ہوگی۔ ضرورت پڑنے پر اس کے لیے طاقت بھی استعمال کی جاسکے گی: **اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ**(الحج:۴۱) ''یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اگر ہم زمین پر اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔''

۵۔ **عدل و قسط کا قیام:** قرآن نے بتایا کہ عدل و قسط کا قیام انبیاء کرام کی تعلیم کا اہم مقصد رہا ہے: **وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَ الْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ**(الحدید:۲۵) ''ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی، تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔'' اس آیت میں ایک بات جو یہ کہی گئی کہ انسانوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کے جو انبیاء آتے رہے، وہ بے بنیاد بات نہیں کرتے تھے، بلکہ دلائل کی روشنی میں اپنا نقطۂ نظر پیش کرتے تھے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے قانون بھی دیا اور میزان بھی۔ میزان کا مطلب یہ ہے کہ انھیں عدل و انصاف قائم کرنے کا طریقہ بھی بتایا۔ آگے فرمایا: **وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ**(الحدید:۲۵) ''اور ہم نے لوہا اتارا، جس میں بڑا

زور ہے اور لوگوں کے لیے منافع ہیں۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے لوہا پیدا کیا، جس سے جنگی سامان تیار ہوتا ہے اور انسانوں کے درمیان کشت وخون ہوتا ہے۔ لیکن جنگ ظلم ونا انصافی کو مٹانے اور عدل و انصاف کو قائم کرنے کے لیے بھی ہوسکتی ہے اور اسی کے لیے ہونی ہی چاہیے۔ اس طرح اسلام نے جنگ کا مقصد متعین کردیا۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کے لیے جنگ کا کوئی جواز نہیں ہے۔

۶۔ **مساوات:** اس کا مطلب ہے معاشرے کے تمام افراد کو برابر سمجھنا، معاشرتی سلوک اور انسانی حقوق میں ان کے درمیان فرق نہ کرنا۔ قومی اور قبائلی تعصّبات کو ختم کرنا اور صرف تقویٰ اور خدا ترسی کو وجہ فضیلت سمجھنا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوباً وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ (الحجرات:۱۳) ''لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمھاری قومیں اور برادریاں بنادیں، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمھارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہو''۔ مساوات میں یہ بات بھی شامل ہے کہ سبھی انسانوں کو وسائلِ حیات اور ذرائع معیشت سے فائدہ اٹھانے کے برابر مواقع حاصل ہوں: هُوَ الَّذِی خَلَقَ لَكُمْ مَافِی الاَرْضِ جَمِيعاً (البقرۃ:۲۹) ''وہی تو ہے جس نے تمھارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں''۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ زمین میں اللہ نے انسان کے فائدے اور ضروریات کی تکمیل کے لیے جو بے شمار چیزیں پیدا کی ہیں، ان سے فائدہ اٹھانے کا ہر ایک کو حق حاصل ہے۔ کچھ لوگوں کا اس پر اس طرح قبضہ کہ دوسروں کو ان سے استفادہ کے مواقع نہ ہوں اور وہ اپنا حصہ نہ پاسکیں، صحیح نہیں ہے۔

اسلامی سیاست کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ اس نے تمدنی ضروریات اور تقاضوں کے لیے بھی کوئی متعین نظام دیا ہے، جس میں کبھی تبدیلی نہیں ہوگی۔ امن و امان کا قیام، بیرونی ممالک سے تعلقات، فوجی طاقت کا حصول، ریاست کی حفاظت، شہری اور انتظامی قوانین یا انتظامِ مملکت جیسے امور سے اسلامی سیاست بہ راہ راست بحث نہیں کرتی، البتہ عدل وانصاف

اورعوامی فلاح وبہبود جیسے اصول اور دفعِ ضرر وجلبِ منفعت کی وہ پابند ہوگی۔

اسلامی سیاست پر جب گفتگو کی جاتی ہے تو اس کے اجتماعی نظم پر ہمارا زور صرف ہوتا ہے اور یہ جاننے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اس کا سیاسی ڈھانچہ کیا تھا؟ معیشت کے کیا اصول کا رفرما تھے؟ حدود وقصاص کا نفاذ کن شرائط کے ساتھ تھا؟ لیکن یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ اسلامی سیاست صحیح معنیٰ میں اسی وقت برگ وبار لائے گی اور اس کے نتائج سامنے آئیں گے جب اس کے پیچھے خدا ترسی اور آخرت کی باز پرس کا یقین کارفرما ہو۔ جہاں سیاست مادی مفادات کے حصول کا ذریعہ نہ ہو، بلکہ احساس ذمہ داری سے آدمی لرزتا ہو، جہاں ابو بکرؓ وعمرؓ اور عثمانؓ وعلیؓ کا کردار ہو، جہاں اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود یہ خوف دامن گیر ہو کہ ابھی حق ادا نہیں ہوا اور قیامت میں برابر سرابر چھوٹ جاؤں تو اسی میں میری کامیابی ہے۔ اس پہلو کو نظر انداز کرنے کے بعد اسلامی سیاست ایک ڈھانچہ ہے، جس میں کچھ بہتر اعمال کا ظہور تو ہوسکتا ہے، لیکن کل نتائج سامنے نہیں آسکتے۔

اسلام میدانِ سیاست میں ایک متبادل پیش کرتا ہے

اس وقت دنیا میں جو سیاسی بے چینی اور اضطراب ہے، طاقت ور قومیں کم زور قوموں کا جس طرح استحصال کررہی ہیں، امنِ عالم کو جو خطرات لاحق ہیں، اخلاقی قدریں جس طرح پامال ہورہی ہیں، اِن کی وجہ سے یہ احساس بہ ہرحال ابھر رہا ہے کہ ہمارے پولٹیکل سسٹم میں کوئی خرابی ہے، اسے بدلنا چاہیے۔ کوئی ایسا نظام تلاش کرنا چاہیے جس میں ان مسائل کا حل ہو، لیکن کوئی متبادل حل ان کے پاس نہیں ہے۔ یہ بتایا نہیں جارہا ہے کہ جب تک خدا کا خوف نہ ہو، احساسِ ذمہ داری نہ ہو، کوئی بڑی تبدیلی رونما نہیں ہوسکتی۔ اسلام اس میدان میں ایک متبادل پیش کرتا ہے۔ یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جس پر ہمیں اصرار کرنا چاہیے۔ کہیے کہ ہمارے پاس ایک آئیڈیل ہے، ہماری گفتگو سے یہ پہلو ابھرنا چاہیے کہ ہمارے پاس متبادل ہے۔ اس پر دنیا کو غور کرنا چاہیے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین

قانون سازی میں عدلیہ کا کردار

ڈاکٹر مقبول حسن

نظامِ عدل وقضا اور قانون کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں انبیاءِ کرام کو اس وقت کی ضرورت کی مناسبت سے قانون عطا کیا اور معاشرے میں قیامِ عدل وقسط کی تعلیم دی۔ پیغمبرِ آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کو جو تعلیم دی وہ قانونِ الٰہی اور تعلیماتِ عدل وقسط کی جامع واکمل صورت ہے۔

نظامِ عدل وقسط کی بنیاد قانون ہے اور اسلامی تصور کے تحت شریعتِ اسلامیہ نظامِ عدل وقضا کے لیے رہ نما اصول (Directive principles) کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسلامی قانون کی اساس قرآنِ مجید اور حدیث یا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ یہ عدل وقسط کی تعلیمات اور قضا کی نظیروں سے بھری پڑی ہیں۔

'قانون' کی لغوی و اصطلاحی تعریف

قانون (Law) دراصل مغربی اصطلاح ہے۔ اسے بنیادی و اساسی قاعدے و ضابطے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ لفظ عربی زبان میں بھی بہت پہلے سے مستعمل چلا آرہا ہے۔ بنیادی طور پر یہ لفظ یونانی canan ہے، جو بگڑ کر عربی زبان میں قانون ہوگیا۔ بعض محققین کے نزدیک یہ لفظ دراصل رومی زبان سے آیا ہے۔ صاحبِ 'مختار الصحاح' تو اس لفظ کو عربی مانتے ہی نہیں، چنانچہ انھوں نے اس کو اپنی لغت میں لکھنے سے اجتناب کیا ہے۔ ۱؎ اس کا مادہ 'ق۔ن۔ن' ہے۔ لفظ 'قانون' کے کئی معانی ہیں، مثلاً کسی چیز کی اصل، جڑ، بنیاد، قاعدہ، دستور، ضابطہ، آئین، طور طریقہ، روش، ڈھنگ وغیرہ۔ ۲؎ ڈاکٹر روحی البعلبکی کے مطابق اس کے معنی rule and law,code کے ہیں۔ ۳؎ المعجم الوسیط میں

لفظ 'قانون' کے لغوی اور اصطلاحی معانی یہ بیان کیے گئے ہیں:

القانون مقیاس کل شیء وطریقه وفی الاصطلاح أمر کلّی ینطبق علی جمیع جزئیاته التی تتعرّف أحکامها منه۔ ۴	قانون سے مراد کسی چیز کو ناپنے کا آلہ اور طریقہ کے ہیں اور اصطلاح میں قانون سے مراد ایسا امر کلّی ہے جو اپنی ساری جزئیات پر منطبق ہوتا ہو کہ جن کا حکم اس سے پہچانا جائے۔

ڈاکٹر سمیر عبدالتناغو نے 'قانون' کی اصطلاحی تعریف یہ کی ہے:

''قانون اُن قواعد واحکام کا مجموعہ ہے جسے مملکت سوسائٹی کی تنظیم کے لیے نافذ کرتی ہے۔''۵

ڈاکٹر صبحی محمصانی لکھتے ہیں:

''آج کل لفظ 'قانون' کے تین معانی مستعمل ہیں: اس کا پہلا معنی، جو سب سے زیادہ عام ہے، یہ ہے کہ اُس سے خاص احکام شرعیہ کا مجموعہ مراد ہے۔ [اسی طرح کے معنی امام غزالیؒ نے بھی مراد لیے ہیں (المستصفیٰ: ۱/۸)] قانون کے دوسرے عام معنی آئین وضوابط کے ہیں، جیسے انگریز کا قانون یا قانون کا سبق وغیرہ۔ تیسرے معنیٰ میں یہ لفظ ایک خاص صورت میں ہر اس قاعدے کے لیے بولا جاتا ہے جو معاملاتِ عامہ کے قواعد میں سے ہو، مثلاً مجلسِ نواب نے غلہ روکنے کا قانون بنایا۔''۶

مختصر یہ کہ 'قانون' دراصل اصولوں (Principles) اور ضابطوں (Rules and Regulations) پر مشتمل ایک ایسا اجتماعی نظام ہے جس کو کسی مقتدرہ ادارے یا حکومت کی طرف سے کسی معاشرے کو منظم (Regulate) کرنے اور اسے ضبط میں رکھنے (Control) کیے لیے وضع (To enact) اور نافذ (Impliment) کیا جاتا ہے اور اسی کی بنیاد پر اس معاشرے کے طرزِ عمل اور اجتماعی رویوں کا انحصار ہوتا ہے۔

اسلامی قانون

اسلامی قانون سے مراد ایسے قواعد وضوابط (Rules and Regulations)

ہیں جو انسانوں کی عملی زندگی کو منظم و منضبط کرنے کے لیے اسلام کے بنیادی و اصولی مصادر و ذرائع؛ قرآن وسنت سے اخذ کیے جاتے ہیں۔دوسرے الفاظ میں اسلام کے مصادرِ اصلی سے مستنبط احکامِ شرعیہ کو اسلامی قانون کہا جاتا ہے۔

ڈاکٹر ریاض الحسن گیلانی نے اس کا اصطلاحی مفہوم یہ بیان کیا ہے:

'اسلامی قانون' سے مراد 'شریعت' یعنی خدا کا قانون ہے، جو منزّل من اللہ، اکمل وکامل ہے۔۷؎

ڈاکٹر محمد امین قانون اور اسلامی قانون کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''' قانون' سے مراد ہمارے نزدیک 'قانونِ وضعی' یعنی انسان کا بنایا ہوا قانون ہوگا۔اس کے برعکس 'اسلامی قانون' کا مطلب ہوگا وہ قواعد و ضوابط جو قرآن وسنّت اور اجتہادِ شرعی پر مبنی ہوں، خواہ انھیں حکومت نافذ کرے یا نہ کرے۔''۸؎

اسلامی قانون سازی کے حدود اور دائرۂ کار

تشریع و قانون سازی کا اختیارِ مطلق صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے پاس ہے۔البتہ اسلام نے انسانوں کو اجتہاد کے اصول کے تحت محدود قانون سازی (Legislalion) کی اجازت وترغیب دی ہے اور اس کے کچھ حدود متعین کیے ہیں، مثلاً:

۱۔ اللہ اور اس کے رسول کے واضح احکام کے برعکس کوئی قانون سازی نہیں کی جاسکتی۔یعنی جہاں نص موجود ہو وہاں قانون سازی کی گنجائش نہیں۔۹؎

۲۔ اصولِ 'اجتہاد' کے استعمال سے مندرجہ ذیل صورتوں میں قانون سازی ہوسکے گی:

الف: ترجیحی اجتہاد

اللہ اور اس کے رسول کے ایسے احکام جو قطعی اور واضح نہ ہوں اور ایک سے زائد تعبیرات کے متحمل ہوسکتے ہوں، ان میں سے کسی ایک تعبیر کو اختیار اور راجح قرار دیا جاسکتا ہے۔

ب: قیاسی وتطبیقی اجتہاد

جن معاملات میں احکامِ شریعت سے مماثل احکام موجود ہوں ان میں نئے معاملات کو شریعت میں موجود پہلے معاملات پر قیاس کر کے ویسے ہی احکام کو ان نئے معاملات پر منطبق کیا جا سکتا ہے، یعنی قیاس واستنباطِ احکام کا عمل۔

ج: جن معاملات میں احکامِ شریعت موجود ہی نہ ہوں، ان میں دو راستے اختیار کیے جاسکتے ہیں:

[i] سابقہ اجتہاد کی پیروی

اگر فقہاءِ متقدمین نے اپنے اجتہاد و اجماع سے ایسے معاملات میں کوئی قانون سازی کی ہوتو اسے اختیار کیا جا سکتا ہے۔

[ii] ازسرنو اجتہاد

شریعت کے عمومی اصولوں، عرف و عادت اور تغیرِ حالات و زمانہ کو سامنے رکھتے ہوئے نئی قانون سازی کی ضرورت ہوتو وہ بھی کی جاسکتی ہے۔[۱۰]

اسلامی قانون سازی میں عدلیہ کا کردار

اسلام عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ اور برتر دیکھنا چاہتا ہے۔ موجودہ دور میں قانون سازی میں عدلیہ اور انتظامیہ کو ایک دوسرے سے الگ کیا گیا ہے۔ اس کی روشنی میں ہم بعض اصولی باتیں پیش کرنا چاہتے ہیں:

عدلیہ اور قانون ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ اس لحاظ سے اجتہاد اور قانون سازی میں عدلیہ کا اہم کردار ہے، بلکہ نظامِ عدل وقسط کو قانون ہی کے مطابق فریضۂ قضا ادا کرنا ہوتا ہے۔لہٰذا عدلیہ اور قضا میں قانون اور قانون سازی کی بحث بڑی اہمیت کی حامل ہے۔اگرچہ بنیادی طور پر (Substantially) نظامِ عدلیہ و قضا کا کام اجتہاد اور قانون سازی نہیں ہوتا، بلکہ قانون کی روشنی میں فیصلہ سازی ہوتا ہے، تاہم وہ اس سے بالکل الگ تھلگ بھی نہیں رہ سکتے۔قاضی یا جج کو مقدمات کا فیصلہ کرنے میں بالعموم اور اکثر اوقات کئی معاملات کا فیصلہ کرنے میں ذاتی اجتہاد و

قیاس سے کام لینا پڑتا ہے، بالخصوص ایسے مسائل میں، جہاں کسی پیش آمدہ یا زیرِ فیصل معاملے میں سرے سے قانون میں کوئی واضح شِق موجود نہ ہو، یا قانون میں کوئی سقم ہو۔اسی طرح بعض اوقات قاضی یا جج کو کسی مبہم قاعدے قانون کی تشریح وتوضیح اور تعبیر interpretation of statute خود کرنی پڑتی ہے۔عدلیہ کا یہ پہلو یقیناً اجتہاد و قانون سازی کے عمل میں ایک اہم معاون عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔

اجتہاد اور قانون سازی میں عدلیہ کے کردار کے درج ذیل پہلو ہو سکتے ہیں:

ا۔تشریحی وتوضیحی کردار (Interpretational Judicial opinion)

قانون سازی مجلسِ شوریٰ یا پارلیمان کا حق ہوتا ہے اور قانون کی تشریح وتوضیح اعلیٰ عدلیہ کا۔عدلیہ یہ دیکھتی ہے کہ کوئی قانون بنیادی انسانی حقوق، اسلام یا ریاستی آئین کے خلاف تو نہیں ہے۔جس طرح حال میں پاکستانی پارلیمان کی طرف سے بنایا جانے والا نیا توہینِ عدالت کا قانون، جس کے مطابق صدر، گورنر، وزیر اعظم، وزرائے اعلیٰ، وفاقی اور صوبائی وزرا پر توہینِ عدالت کا قانون لاگو نہیں ہو سکے گا، یعنی انھیں استثنا دے دیا گیا تھا۔سپریم کورٹ آف پاکستان نے اسے بنیادی انسانی حقوق، اسلام اور آئینِ پاکستان تینوں سے متصادم قرار دے کر ختم کر دیا۔اگر ایسا نہ ہوتو پھر قانون سازی کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ہر کوئی مرضی کی قانون سازی کرتا پھرے گا۔اس طرح عدالتی نظام بھی غیر مؤثر ہو کر رہ جاتا ہے۔

اسی طرح مقدمات کے فیصلوں (عملِ قضا Judicial Proccess) کے دوران جج اور قاضی حضرات کو بھی غیر واضح نصوص وقوانین کی تشریح وتوضیح کرنا پڑتی ہے اور اپنے ذاتی اجتہاد یا دوسرے ججز یا ماہرینِ قضا و قانون سے مشاورت کے ذریعے ان کا مطلب ومقصد متعین کرنا اور صحیح فیصلے تک پہنچنا ہوتا ہے۔یہ سب بھی اجتہادی اقدامات ہیں۔اس کے نتیجے میں بھی عدلیہ کے ذریعے بہت سے قواعد وضوابط وجود میں آتے رہتے ہیں، جو کہ عملی طور پر آئندہ دوسری عدالتوں اور ججز کے لیے بہ طورِ نظائر (Precedents) کام آتے ہیں۔

۲۔توسیعی کردار (Origional Judicial opinion)

اسی طرح عدالتی عمل کے دوران مقدمات کے فیصلے میں بعض اوقات قاضی و جج کو جب کوئی نصِ قانونی یا متعین ضابطہ نہیں ملتا تو انھیں اپنے ذاتی اجتہاد یا دوسرے ججز یا ماہرینِ قضا و قانون سے مشاورت کے ذریعے مناسب قانون وضابطہ وضع کرتے ہوئے فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ یہ بھی اجتہادی کاوش ہے۔ اس کے نتیجے میں عدلیہ کے ذریعے بہت سے قواعد وضوابط وجود میں آتے رہتے ہیں، جو عملی طور پر آئندہ دوسری عدالتوں اور ججز کے لیے بہ طورِ نظائر کام آتے ہیں اور قانونی نظام کا حصہ بن جاتے ہیں۔

عدالتی قانون سازی اور سنتِ رسول اللہ

حضرت معاذ بن جبلؓ والی مشہور حدیث قاضی کی ذاتی رائے سے اجتہاد و قیاس اور قانون سازی اور اس کی بنیاد پر فیصلہ اور پھر اس کے قابلِ نفاذ ہونے پر دلیل ہے۔

امام ابن ابی شیبہؒ نے اپنی کتاب 'المصنف' میں اس حدیث کو سندِ حسن سے بیان کیا ہے:

عَن مُعَاذٍ اَنَّ النَبِیَّ صَلّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَ سَلَّمَ لَمّا بَعَثَہ قَالَ: کیفَ تَقضی؟ قَالَ: اَقضِی بِکِتَابِ اللّٰہِ، قَالَ: فَاِن لَم یکُن فِی کِتَابِ اللّٰہِ؟ قَالَ: اَقضِی بِسُنَّۃِ رَسُولِ اللّٰہِ، قَالَ: فَاِن لَم تَکُن سُنَۃ مِن رَسُولِ اللّٰہِ؟ قَالَ: اَجتھِدُ رَائی، قَالَ: فَقَالَ النَّبِیﷺ: ''الحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِی وَفَقَ رَسُولَ رَسُولِ اللّٰہ۔[۱۱]

حضرت معاذؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جب انھیں (یمن) بھیجا تو ان سے دریافت فرمایا: تم کیسے فیصلہ کروگے؟ انھوں نے جواب دیا: اللہ کی کتاب کے ذریعے۔ آپؐ نے پھر دریافت فرمایا: اگر اللہ کی کتاب میں وہ حکم نہ پاؤ؟ انھوں نے جواب دیا: اللہ کے رسول کی سنت کے ذریعے فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے پھر دریافت فرمایا: اگر اللہ کے رسول کی سنت میں بھی نہ پاؤ؟ انھوں نے جواب دیا: تب میں خود اجتہاد کروں گا۔ یہ سن کر نبیؐ نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے جس نے اپنے رسول کے نمائندہ کو صحیح بات کی توفیق بخشی۔

حضرت عمر بن العاصؓ سے مروی یہ حدیث بھی عدلیہ کے اجتہاد اور قانون سازی کے پہلو پر دلیل ہے:

اذا حکم الحاکم فاجتهد فأصاب فله أجران، و اذا حکم فاجتهد فأخطأ فله أجر۔۱۲؎	جب کوئی حاکم (قاضی) فیصلہ کرتا ہے اور فیصلہ کرنے سے پہلے (اس معاملے پر) غور وفکر (یعنی اجتہاد) کرتا ہے، پھر صحیح رائے پر پہنچ جاتا ہے تو وہ دوہرے اجر کا مستحق ہوتا ہے اور اگر وہ (اجتہادی) غلطی کرتا ہے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔

عدالتی قانون سازی۔مشاہیرِ اسلام کی نظر میں

ڈاکٹر صبحی محمصانی اجتہاد کے معاملے میں عدلیہ کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عصرِ حاضر میں اجتہاد کا لفظ اس خاص طریقِ کار کے لیے بولا جاتا ہے جو جج اپنے فیصلے کرتے وقت اختیار کرتے ہیں، خواہ اس کے ذریعے قانونی عبارتوں کی وضاحت مقصود ہو یا نصِ صریح نہ ہونے کی صورت میں یا نص کے صراحت طلب ہونے کی صورت میں ضروری حل تلاش کرنے کی غرض سے اختیار کیا جائے۔''۱۳؎

عالمِ اسلام کے مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ اپنے خطباتِ بہاول پور میں تاریخِ فقہ کے مباحث میں قانون سازی کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قاضی اور مفتی قانونِ اساسی کی بنیاد پر ضروری قانون سازی تو کر سکتے ہیں، البتہ وہ نفاذ کی طاقت نہیں رکھتے۔ وہ فرماتے ہیں:

''اسلامی معاشرے میں قانون بنانے کا کام کون کرتے ہیں اور قانون کو سمجھنے اور سمجھانے کا کام کون کرتے ہیں؟ یہ دو لوگ ہیں: ایک تو حاکمِ عدالت اور دوسرا جسے ہم مفتی کا نام دیتے ہیں، یعنی اس سے پوچھتے ہیں

کہ اس بارے میں کیا قانون ہے؟ اور وہ ہمیں بتاتا ہے کہ اسلامی قانون یہ ہے اور یہ ہونا چاہیے،لیکن وہ اس کا نفاذ نہیں کرتا۔حاکمِ عدالت کسی مقدمے میں فریقین کے مابین اس کا نفاذ کرتا ہے،لیکن مفتی قانون بتاتا ہے، قانون کا نفاذ نہیں کرتا۔اس فرق کے باوجود دونوں ذیلی قانون سازی کا کام کرتے ہیں۔اساسی قانون کی حیثیت تو قرآن وحدیث رکھتے ہیں،لیکن قرآن وحدیث ساکت ہوں تو اجتہاد کے ذریعے،استنباط کے ذریعے سے،یہ لوگ قانون معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔''۱۴؎

ڈاکٹر موصوف نے اپنے خطبے میں آگے فرمایا ہے کہ جن صورتوں میں فقہائ، مفتیوں اور قاضیوں کو قانون معلوم کرنے اور اسے ترتی دینے کی ضرورت پیش آئی، وہ قابلِ فیصل مقدمات کے مختلف نئے حالات اور رُودادیں ہوتی تھیں،جن کے متعلق قانون میں باقاعدہ نصِ صریح نہ ہونے کی صورت میں انھیں اپنے ذاتی اجتہاد (وضع قاعدہ و قانون) کے مطابق فیصلہ کرنا ہوتا تھا اور وہ فیصلے کرتے تھے۔ان کے اس استنباطِ قواعد اور فیصلوں کی جب بعد میں رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوتی تو آپ یا تو تائید کرتے یا فوراً تصحیح فرماتے تھے۔مثال کے طور پر چوری کے متعلق تو قانون تھا،لیکن کفن کی چوری کے متعلق قانون نہیں تھا، اسے ہمارے قاضی اور مفتی نے معلوم کیا۔پھر وہ ہمارے قانون کا جزو بنا۔ڈاکٹر موصوف نے قاضیوں کے نام حضرت عمرؓ کے ایک خط کا بھی ذکر کیا ہے، جس میں انھیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ اگر انھیں فیصلے کے لیے قانون میں کوئی حکم نہ ملے تو صاحبانِ علم سے مشورہ کیا کریں اور محض اپنی رائے سے فیصلہ کرنے کے بجائے مشورہ اور اجتماعی (Collective) اجتہاد سے کام لیں۔۱۵؎

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے ایک جگہ لکھا ہے:

''اسلامی نظامِ قانون میں قاضیوں کے فیصلے ان خاص مقدمات میں تو ضرور قانون کے طور پر نافذ ہوتے ہیں،جن میں وہ کسی عدالت نے

کیے ہوں اور انہیں نظائر (Precedents) کی حیثیت بھی حاصل ہوتی ہے، لیکن صحیح معنوں میں وہ قانون نہیں ہوتے۔ اسلامی نظام قانون میں قاضیوں کے بنائے ہوئے قانون (Judge Made Law) کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔''۱۶؎

ہمیں اس اقتباس میں مولانا کے آخری جملے سے اختلاف ہے۔ گزشتہ صفحات میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ اسلامی نظامِ قضا میں ججز اور قاضیوں کے بنائے ہوئے قانون (Judge made Law) کا تصور موجود ہے اور ایسے قواعد وضوابط ہمارے قانون کا حصہ ہیں۔

اسلامی قانون سازی کے سلسلے میں اجتماعی اجتہاد کے ضمن میں عدالتی نظام کا بڑا اہم کردار رہا ہے اور اب بھی ہے۔

اجتماعی اجتہاد اور قانون سازی پاکستان میں

وفاقی شرعی عدالت پاکستان اور سپریم کورٹ کا شریعت اپیلٹ بنچ کا بھی اجتماعی اجتہاد و قانون سازی کے میدان میں ایک اہم کردار ہے، اسی طرح اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کا بھی یقیناً ایک بہت بڑا عدالتی پہلو ہے، جو اجتماعی اجتہاد و قانون سازی کی ہی ایک شکل ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر یوسف فاروقی عدالتوں میں اجتہادی کردار کے تناظر میں لکھتے ہیں:

''ہمارے ملک کی اعلیٰ عدالتیں بھی اجتہادی عمل میں مفید ثابت ہوسکتی ہیں۔ علماء اور ماہرینِ فقہ وقانون کی مشاورت سے پیش آمدہ مسائل کا عدالتیں جائزہ لے کر اپنی ماہرانہ رائے کا اظہار کرسکتی ہیں۔ ان کی رائے کو عوام میں وقعت حاصل ہوگی اور عدلیہ کے ذریعے اجتہادی عمل بھی آگے بڑھے گا۔ اس سلسلے میں فیڈرل شریعت کورٹ کے بعض فیصلوں کو بہ طورِ مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔''۱۷؎

عالمی اسلامی عدالت کی ضرورت

عالمِ اسلام کے لیے ہماری تجویز یہ ہے کہ ایک 'عالمی اسلامی عدالت' ہونی چاہیے، جوایک طرف دنیا بھر میں مسلمانوں، خاص کر مسلم ممالک کے باہمی تنازعات و اختلافات کا فیصلہ کرے تو دوسری طرف اجتہاد واجماع (اسلامی قانون سازی) یا اجتماعی اجتہاد کے ضمن میں بھی ایک بڑا کردار ادا کرے۔ خاص کر فی زمانہ جب مسلمانوں کی عالمی طور پر کوئی مرکزی قیادت اور سیاسی وحدت نہیں ہے، اس کی شدید ضرورت ہے۔موجودہ عالمی عدالتِ انصاف سے مسلمان ملکوں کو انصاف کے حصول میں وہ سہولتیں حاصل نہیں ہیں، جو ہونی چاہئیں۔

یہی وجہ ہے کہ آج سے چند سال قبل عالمی عدالتِ انصاف ہی کے ایک مسلمان جج جسٹس علی نواز چوہان نے ہائیکورٹ بار ایسوسی ایشن راولپنڈی بار کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے مطالبہ کیا تھا کہ مسلم ممالک کو اپنی روایات اور تعلیمات کے مطابق علیٰحدہ عالمی اسلامی عدالتِ انصاف کی بنیاد رکھنی چاہیے۔۱۸؎

حواشی ومراجع

۱؎ رازی، محمد بن ابی بکر، مختار الصحاح (مترجم عبدالرزاق)، مطبوعہ، دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی، ۲۰۰۳ء، ص ۶۵۷

۲؎ دہلویؒ، سید احمد، فرہنگِ آصفیہ، مطبوعہ اسلامیہ پریس لاہور، جنوری ۱۸۹۸ئ، ج ۳، ص ۳۶۵، کیرانویؒ، وحیدالزماں، القاموس الاصطلاحی، مطبوعہ، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، س ن، ص ۳۵۹

۳؎ روحی البعلبکی، المورد، دارالعلم للملایین، بیروت، لبنان، ۱۹۹۰ئ، ص ۸۴۶

۴؎ ابراہیم انیس، محمد خلف اللہ احمد، عبدالحلیم منتصر، عطیہ الصوالحی، المعجم الوسیط، ج ۲، طبع دارالدعوٰی، س ن، ص ۶۳۷

۵۔ ملاحظہ کیجیے: محمد امین، ڈاکٹر، عصر حاضر اور اسلام کا نظامِ قانون، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۸۹ئ، (طبع اول)، ص ۳

۶۔ صبحی محمصانی، ڈاکٹر۔ فلسفہ شریعتِ اسلام (مترجم مولوی محمد احمد رضا)، مطبوعہ مجلسِ ترقی ادب، لاہور، طبع ششم، جون ۱۹۸۱ئ، ص ۸۔۹

۷۔ سید ریاض الحسن گیلانی، سید، ڈاکٹر۔ The Reconstruction of Legal thought in Islam، ص ۱۷، مشمولہ: محمد امین، ڈاکٹر۔ عصر حاضر اور اسلام کا نظامِ قانون (طبع اول)، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۷

۸۔ عصر حاضر اور اسلام کا نظام قانون، ص ۷

۹۔ مجلۃ الأحکام العدلیۃ (مترجم: عبدالقدوس ہاشمی)، مطبوعہ انٹرنیشنل پریس، میکلوڈ روڈ، کراچی، ۲۷ دسمبر، ۱۹۶۶ئ، دفعہ ۱۴، ص ۲۵

۱۰۔ مودودیؒ، سید ابوالاعلیٰ، اسلامی ریاست، مطبوعہ، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۸ئ، ص ۳۲۴

۱۱۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۲ئ، حدیث: ۲۸۵۳۰

۱۲۔ ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داؤد، کتاب القضائ، باب فی القاضی یخطی

۱۳۔ فلسفہِ شریعتِ اسلام، ص ۲۲۸، ۲۲۹

۱۴۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطباتِ بہاول پور، مطبع، اسلامی یونیورسٹی بہاول پور، ۱۴۰۲ھ، ص ۱۷، ۲۷

۱۵۔ حوالہ سابق، ص ۷۲، ۷۴، ۷۵

۱۶۔ اسلامی ریاست، ص ۴۴۶۔۴۴۷

۱۷۔ فاروقی، محمد یوسف، ڈاکٹر۔ اجتہادِ مناہج و اسالیب، مطبوعہ، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، مارچ ۲۰۰۹ئ، ص ۴۱

۱۸۔ روزنامہ جنگ، راول پنڈی، ۲۰/اپریل، ۲۰۰۹ء

☆☆☆

وقت کے ایک اہم اور زندہ موضوع پر قابلِ قدر تصنیف

غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق

مولانا سید جلال الدین عمری

مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان کیسے تعلقات ہونے چاہئیں؟ یہ آج کا ایک اہم اور زندہ موضوع ہے۔ کیا اسلام اپنے ماننے والوں کے علاوہ دوسروں کو بنیادی انسانی حقوق سے محروم کر دیتا ہے؟ کیا اس میں مذہبی رواداری، تحمل و برداشت اور توسع نہیں پایا جاتا ہے؟ اسلام کے نزدیک غیر مسلموں سے خاندانی، معاشرتی، سماجی، کاروباری اور ازدواجی تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟ غیر مسلموں کو سلام، مساجد میں ان کا داخلہ اور ان سے تحائف کے تبادلہ کا کیا حکم ہے؟ کیا مسلمانوں کے معاملات میں ان کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے؟ اسلامی ریاست کی بنیادیں کیا ہیں؟ اور اس پر کیا اعتراضات کیے جاتے ہیں؟ جہاد کیا ہے اور اس کے احکام کیا ہیں؟ ذمیوں کے کیا حقوق ہیں؟ اسلامی ریاست کے بین الاقوامی تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟ غیر مسلموں سے عدم تعلق کی ہدایات کا صحیح پس منظر کیا ہے؟ یہ چند ایسے اہم مسائل ہیں جن کا جدید ذہن اطمینان بخش جواب چاہتا ہے۔

کتاب میں اس نوع کے تمام مباحث پر قرآن وحدیث کی روشنی میں اور مستند مفسرین، محدثین اور فقہاء کے حوالوں کے ساتھ عالمانہ اظہار خیال کیا گیا ہے۔ ہندوستان کے پس منظر میں اس کی خصوصی اہمیت ہے اور دعوت وتبلیغ کے میدان میں کام کرنے والوں کی بھی یہ ایک اہم ضرورت ہے۔

مصنف کی نظر ثانی کے بعد جدید ایڈیشن، آفسیٹ کی حسین طباعت، عمدہ کاغذ، خوب صورت جلد، صفحات: ۳۲۰، قیمت: ۱۸۵/- روپے

بحث ونظر

تکثیری معاشرہ کے لیے قرآنی ہدایات

ـــــــــــــــ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

شعبۂ اسلامک تھیالوجی، عالیہ یونی ورسٹی، کلکتہ اور اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے اشتراک سے مورخہ ۱۳-۱۵/ مارچ ۲۰۱۵ء میں ایک سہ روزہ بین الاقوامی سمینار 'تکثیری معاشرہ، اسلام اور مسلمان' کے مرکزی موضوع پر منعقد ہوا تھا۔ اس کے لیے راقم نے یہ مقالہ تحریر کیا تھا، لیکن بعض ناگزیر وجوہ سے اس سمینار میں شرکت نہیں ہوسکی۔ اس موضوع کے بعض پہلوؤں پر راقم کی کتاب 'حقائقِ اسلام- اعتراضات کا جائزہ' میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ صدرِ ادارہ مولانا سید جلال الدین عمری کی قابل قدر کتاب 'غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق' اس موضوع پر بھرپور اور جامع مطالعہ ہے۔ موصوف کی دوسری کتاب 'غیر اسلامی ریاست اور مسلمان' میں بھی دور حاضر کے پس منظر میں اس کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ (رضی الاسلام)

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسانوں کے درمیان گوناگوں اختلافات پائے جاتے ہیں۔ رنگ، نسل، زبان، علاقہ، تہذیب و تمدن، معاشرت، عقیدہ، مذہب، کسی معاملے میں وہ یکساں نہیں ہیں، بلکہ ان سب پہلوؤں سے ان میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ ان اختلافات کو نظر انداز کرنے، انھیں گوارا کرنے اور ان کے باوجود مل جل کر رہنے اور پُرامن طریقے سے زندگی گزارنے کو موجودہ دور کی ایک اہم قدر قرار دیا جارہا ہے۔ اس

کے لیے ایک اصطلاح PLURALISM کی وضع کی گئی ہے۔اردو میں اس کا ترجمہ 'کثرتیت' یا 'تکثیریت' کیا جاتا ہے۔

ریفرنس آکسفورڈ ڈکشنری میں PLURALISM کا یہ مفہوم بیان کیا گیا ہے:

> The existence or toleration in society of a number of groups that belong to different races or have different political or religious beliefs.

''تکثیریت سے مراد ہے کسی سماج میں ایسے متعدد گروہوں کی موجودگی اوران کے درمیان رواداری، جومختلف نسلوں سے تعلق رکھتے ہوں، یا مختلف سیاسی تصورات یا مذہبی عقائد کے حامل ہوں۔''

برٹانیکا ریفرنس انسائیکلو پیڈیا میں اس کی یہ تشریح کی گئی ہے:

> Pluralism assumes that diversity is beneficial to society and that the disparate functional or cultural groups of which society is composed -- including religious, trade unions, professional organisations and ethnic minorities -- should be autonomous.

''تکثیریت کا مفروضہ یہ ہے کہ تنوع سماج کے لیے مفید ہے۔ چنانچہ سماج کے مختلف طبقات یا تہذیبی اکائیوں کو۔۔جن میں مذہبی گروہ، ٹریڈ یونینس، پیشہ ورانہ انجمنیں اور نسلی اقلیتیں شامل ہیں۔۔حقِ خوداختیاری حاصل ہونا چاہیے۔''

قرآن کریم پر اعتراضات کی حقیقت

قرآن کریم پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ان میں سے ایک بڑا اعتراض

یہ ہے کہ وہ علیٰحدگی پسند ہے۔ وہ اپنے ماننے والوں کو انفرادیت پسندی سکھاتا ہے اور انہیں دوسرے مذاہب کے ماننے والوں سے الگ تھلگ رکھنا چاہتا ہے۔ حسنِ سلوک، ہمدردی، مساوات، ربطِ باہم، تعاون و امداد اور خوش گوار انسانی تعلقات کے سلسلے میں اس نے جو تعلیمات و ہدایات دی ہیں، وہ صرف مسلمانوں کے لیے ہیں۔ رہے دوسرے مذاہب کے ماننے والے تو ان کے لیے اس کے پاس نفرت وحقارت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ وہ مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ وہ کسی طرح کا تعلق نہ رکھیں، ان کے ساتھ کسی طرح کی ہمدردی اور خیر خواہی نہ کریں، بلکہ انہیں تنگ کرنے، نیچا دکھانے اور تکلیف پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ اس طرح یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ تکثیری معاشرہ کے لیے اسلام موزوں نہیں ہے۔ آج جب کہ پوری دنیا سمٹ کر ایک گاؤں بن گئی ہے، مختلف قوموں، گروہوں اور مذاہب سے تعلق رکھنے والوں کے درمیان تعامل ناگزیر ہے، ایسے میں قرآن کی معاشرتی تعلیمات فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

یہی نہیں، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ قرآن کی بعض آیتوں میں مسلمانوں کو دوسرے دھرموں کے پیروکاروں سے لڑنے جھگڑنے اور جنگ و جدال کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ جب تک ان آیتوں کو قرآن سے نکالا نہیں جاتا، دیش کے دنگوں کو روکا نہیں جاسکتا۔ انہی الزامات کے تحت کچھ عرصہ قبل کلکتہ ہائی کورٹ میں ایک مقدمہ دائر کیا گیا تھا اور قرآن پر پابندی عائد کروانے کی کوشش کی گئی تھی، مگر فاضل ججوں نے دانش مندی کا ثبوت دیتے ہوئے اسے خارج کر دیا۔

قرآنی تعلیمات کے بارے میں یہ تاثر درست نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن نے اصولی طور پر مسلم اور کافر کے درمیان فرق کیا ہے، لیکن اس فرق کا کچھ بھی اثر انسانی حقوق اور معاشرتی تعلقات پر نہیں پڑتا۔ اس نے انسان کے جو بنیادی حقوق متعین کیے ہیں، ان سے ہر شخص بہرہ ور ہوگا، خواہ وہ مسلم ہو یا کافر۔ مثالی معاشرہ کی تشکیل کے لیے قرآن نے جو ہدایات اور تعلیمات دی ہیں، ان کا اطلاق معاشرہ کے تمام افراد پر ہوگا،

خواہ وہ مسلم ہوں یا کافر۔ ایک ایسا معاشرہ، جس میں مختلف مذاہب کے ماننے والے رہتے بستے ہوں، اس کے افراد کے باہمی تعلقات کے سلسلے میں قرآن نے واضح ہدایات اور احکام دیے ہیں۔ ان کی روشنی میں یہ تعلقات بغض و عداوت، نفرت و حقارت، کشیدگی اور بدگمانی پر مبنی نہیں ہوں گے، بلکہ ان کی بنیاد حسن سلوک، ہمدردی، تعاونِ باہمی، نصح وخیر وخواہی اور حسن ظن پر قائم ہوگی۔

والدین اور رشتہ داروں سے تعلقات

معاشرہ میں انسان کا سب سے قریبی تعلق والدین اور رشتہ داروں سے ہوتا ہے۔قرآن ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتا ہے اور اس معاملے میں مسلم اور کافر کی کوئی تفریق نہیں کرتا۔ اگر کسی شخص نے اسلام کو دین حق سمجھ کر قبول کیا ہو، لیکن اس کے والدین اس سعادت سے محروم ہوں، تو بھی مذاہب کا یہ اختلاف اسے ان کی خدمت کرنے، ان کی خبر رکھنے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے باز نہیں رکھتا۔ یہی نہیں، بلکہ اگر اس کے والدین اس کے اسلام قبول کرنے کے نتیجے میں اس سے ناراض ہوجائیں، اس پر طرح طرح سے دباؤ ڈالیں کہ وہ اسلام سے پھر جائے اور اسے اذیتیں دیں، تو ایسی صورت میں یہ عمومی ہدایت ہے کہ وہ دین حق سے دست بردار تو نہ ہو، البتہ ردعمل کے طور پر طیش میں آکر اپنے والدین کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک ترک نہ کردے، بلکہ اس معاملے میں ادنیٰ سی بھی کوتاہی نہ کرے۔ چناں چہ قرآن کا واضح حکم ہے:

وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا (لقمان: ۱۵)	اور اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان، البتہ دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ۔

یہ آیت مکی دور کے اس زمانے میں نازل ہوئی تھی جب آں حضرت ﷺ کی دعوت پر قریش کے نوجوان لبیک کہہ رہے تھے اور حلقہ بہ گوش اسلام ہو رہے تھے۔

دوسری طرف ان کے والدین، رشتہ دار اور خاندان کے لوگ انہیں اس سے روکنے اور اسلام سے پھیر کر آبائی مذہب کی طرف واپس لانے کے لیے ہر جتن کر رہے تھے اور اس میں ناکامی کی صورت میں انہیں جسمانی اذیتیں دے رہے تھے۔ ممکن تھا کہ ان حالات میں وہ نوجوان بھی ردعمل کی کیفیت کا شکار ہوجاتے اور والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ان میں انتقامی جذبہ پیدا ہوجاتا، یا کم از کم ان سے وہ بے پروا ہوجاتے، لیکن انہیں تاکید کی گئی کہ وہ ناحق میں تو ان کی بات نہ مانیں، لیکن دنیاوی معاملات میں ان کے ساتھ بھلے طریقے سے پیش آئیں اور اچھا سلوک کرتے رہیں۔

والدین کے بعد رشتہ داروں کا درجہ ہے۔ وہ بھی اسی طرح حسن سلوک کے مستحق ہیں۔ قرآن تاکید کرتا ہے کہ رشتہ دار خواہ ہم مذہب ہوں یا دوسرے مذہب کے ماننے والے، ان کے حقوق ادا کیے جائیں اور ان کی خبر گیری میں کوتاہی نہ کی جائے۔ اس معاملے میں قرآن کتنا حساس ہے، اس کا اندازہ ایک مثال سے بہ خوبی کیا جاسکتا ہے۔ اسلامی شریعت میں کسی شخص کے مستحقِ میراث ہونے کے لیے مسلمان ہونے کی شرط لگائی گئی ہے۔ کوئی کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی دوسرے ذریعے سے بھی اسے کسی طرح کا مالی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ قرآن نے اجازت دی ہے کہ غیر مسلم رشتہ داروں کو وصیت یا تحفے تحائف کے ذریعے اپنے مال کا کچھ حصہ دیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأُوْلُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلىٰ بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهَاجِرِيْنَ إِلَّا أَن تَفْعَلُوا إِلَىٰ أَوْلِيَائِكُم مَّعْرُوفاً (الاحزاب:٦)

کتاب اللہ کی رو سے عام مومنین و مہاجرین کی بہ نسبت رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔ اس لیے اپنے اولیاء (دیگر متعلقین) کے ساتھ تم کوئی بھلائی (کرنا چاہو تو) کر سکتے ہو۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ رشتہ داروں کے حقوق عام لوگوں پر مقدم ہیں۔ سورۂ احزاب ۵ھ میں نازل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے، ہجرتِ مدینہ کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

نے مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارہ کرا دیا تھا۔ اس تعلق کی بنا پر مہاجرین اور انصار ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے۔ آیتِ بالا کے نزول کے بعد یہ طریقہ موقوف ہو گیا اور وراثت کی بنیاد رشتہ داری کو قرار دیا گیا۔ آیت کے آخری ٹکڑے إِلَّا أَن تَفْعَلُوا إِلَى أَوْلِيَائِكُم مَّعْرُوفاً کا مطلب یہ ہے کہ (میراث کے مستحق) رشتہ داروں کے علاوہ اپنے دوسرے متعلقین کی مالی مدد کرنا چاہو تو دیگر کسی ذریعہ (مثلاً تحفے یا وصیت وغیرہ) سے ایسا کر سکتے ہو۔

محمد بن الحنفیہؒ فرماتے ہیں:

''اس آیت کے ذریعہ غیر مسلم کے لیے وصیت کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ یعنی اپنے کافر رشتہ دار کے ساتھ ایسا کیا جاسکتا ہے۔ مشرک رشتہ دار سے اگرچہ دین کا تعلق نہیں ہے، لیکن نسبی اعتبار سے وہ رشتہ دار ہے، اس لیے اس کے حق میں وصیت کی جاسکتی ہے۔''[۱]

قتادہؒ، حسنؒ اور عطاؒ فرماتے ہیں:

''اس آیت میں اجازت دی گئی ہے کہ مسلمان اپنے کافر رشتہ دار کو اپنی زندگی میں جو چاہے، دے سکتا ہے اور مرتے وقت اس کے لیے وصیت کر سکتا ہے۔''[۲]

پڑوسیوں کے ساتھ خوش گوار تعلقات

رشتہ داروں کے بعد انسان کا سب سے قریبی تعلق اپنے پڑوسیوں سے ہوتا ہے۔ ان کا ہر وقت ساتھ رہتا ہے۔ پڑوسی اچھے ہوں تو انسان اپنے اہل وعیال، گھر اور مال سے بے فکر ہو کر کاروبارِ زندگی میں مصروف ہوتا ہے۔ ان کی طرف سے اطمینان نہ ہو تو اسے کبھی ذہنی یکسوئی نہیں مل سکتی۔ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان ایک اچھا پڑوسی بنے، اس کی ذات سے اس کے پڑوسیوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، وہ ان کے دکھ درد میں کام آئے اور ان کے ساتھ خوش گوار تعلقات رکھے۔ قرآن کریم میں ہے:

وَبِالْوَالِدَیْنِ إِحْسَاناً وَبِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ الْجَارِ ذِیْ الْقُرْبٰی وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالجَنبِ (النسائ:۳۶)

ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔ قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور پڑوسی رشتہ دار سے، اجنبی ہم سایہ سے، پہلو کے ساتھی سے .....احسان کا معاملہ رکھو۔

اس آیت میں تین طرح کے پڑوسیوں کے ساتھ اچھے سلوک کا حکم دیا گیا ہے: ایک الْجَارِ ذِیْ الْقُرْبٰی (رشتہ دار پڑوسی) دوسرا الْجَارِ الْجُنُب (اجنبی پڑوسی) اور تیسرا الصَّاحِبِ بِالجَنبِ (پہلو کا ساتھی، جس سے تھوڑی دیر کا ساتھ ہوجائے)۔ بعض مفسرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ الْجَارِ ذِیْ الْقُرْبٰی سے مراد مسلم پڑوسی اور الْجَارِ الْجُنُب سے مراد غیر مسلم پڑوسی ہے۔ ۳؎

احادیث میں بھی پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی بہت تاکید آئی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیحسن الی جارہ ۴؎

جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اسے اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہیے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ایک موقع پر صحابۂ کرام کی ایک مجلس میں تین مرتبہ ارشاد فرمایا: ''اللہ کی قسم، وہ شخص مومن نہیں ہے۔'' صحابہ نے دریافت کیا: ''کون؟ اے اللہ کے رسول! فرمایا:

الذی لایأمن جارہ بوائقہ ۵؎

وہ شخص جس کا پڑوسی اس کے شر و فساد سے محفوظ نہ ہو۔

مذکورہ بالا آیت اور احادیث عام ہیں۔ ان میں مسلمان ہونے کی قید نہیں ہے۔ غیر مسلم پڑوسی بھی ان میں شامل ہیں۔ اسی لیے صحابۂ کرام اپنے غیر مسلم پڑوسیوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کرتے تھے۔ حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن

عمروؓ کے پاس تھا۔ ان کے ملازم نے ایک بکری ذبح کی تو انہوں نے فرمایا: ''اس کا گوشت تقسیم کرو تو سب سے پہلے ہمارے یہودی پڑوسی کے یہاں بھیجو۔'' ایک شخص نے کہا: ''کیا آپ اس یہودی کے یہاں بھیجیں گے؟ فرمایا: ''میں نے نبی ﷺ کو پڑوسی کے بارے میں اتنی تاکید کرتے ہوئے سنا ہے کہ ہمیں اندیشہ ہونے لگا کہ آپ اسے وراثت میں حق دار قرار دے دیں گے۔''[۶]

حسنِ معاشرت

جب کچھ لوگ ایک جگہ رہتے بستے ہیں تو ان کے درمیان سماجی تعلقات قائم ہوجاتے ہیں۔ باہم خوش گوار تعلقات کے لیے ضروری ہے کہ تمام افراد ایک دوسرے کا خیال رکھیں۔ اپنے پڑوسیوں، ملاقاتیوں اور شرکاءِ کار کے ساتھ الفت و محبت سے پیش آئیں، ان کی خوشیوں میں شریک ہوں، ان کے غم کو اپنا غم سمجھیں اور ان کی ہمدردی، مواسات، دل جوئی اور غم خواری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں۔ قرآن انسانی جذبات کا پورا لحاظ کرتا ہے۔ وہ غیر مسلموں سے انسانی روابط رکھنے میں نہ صرف یہ کہ کوئی حرج نہیں سمجھتا، بلکہ ان کی تاکید کرتا ہے:

لاَ يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (الممتحنۃ:۸)

اللہ تمھیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو، جنھوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمھیں تمھارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

تکثیری معاشرہ میں رہنے والے دیگر مذاہب کے ماننے والوں سے تعلقات کے سلسلے میں یہ آیت بہت اہم ہے۔ اس میں دو جملے آئے ہیں: أَنْ تَبَرُّوْهُمْ اور تُقْسِطُوْا إِلَيْهِمْ۔ برّ سے مراد ہے حسن سلوک اور صلہ رحمی کرنا[۷]۔ اس میں زیادہ سے

زیادہ حسن سلوک کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے (البرّ: التوسّع فی الاحسان الیه) ۸۔ تُقْسِطُوْٓا اِلَیْہِمْ کے معنیٰ بعض مفسرین نے یہ بیان کیے ہیں کہ ان کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کرو، جب کہ بعض دیگر مفسرین اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ صلہ رحمی کے طور پر اپنے مال کا کچھ حصہ انھیں دو (أن تعطوهم قسطاً من أموالكم على وجه الصلة)۔ ۹۔

بعض مفسرین اس آیت کو منسوخ قرار دیتے ہیں، لیکن اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ یہ آیت محکم یعنی غیر منسوخ ہے (و قال أكثر أهل التأويل: هي محكمة)۔ ۱۰۔

امام قرطبیؒ نے لکھا ہے:

هذه الآية رخصة من الله تعالىٰ في صلة الذين لم يعادوا المؤمنين ولم يقاتلوهم۔ ۱۱۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان غیر مسلموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی اجازت دی ہے جنھوں نے مسلمانوں کے ساتھ دشمنی نہیں کی اور ان سے جنگ نہیں کی۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں:

قال أهل التأويل: هذه الآية تدلّ على جواز البرّ بين المشركين و المسلمين، وان كانت الموالاة منقطعة۔ ۱۲۔

مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکوں اور مسلمانوں کے درمیان نیکی اور حسن سلوک کا معاملہ جائز ہے، اگرچہ ان کے درمیان موالات (یعنی قریبی تعلق رکھنا) ممنوع ہے۔

غریبوں کا مالی تعاون

سماج میں کچھ لوگ غریب، محتاج، بے کس اور لاچار ہوتے ہیں۔ صاحبِ حیثیت اور مال دار لوگوں کا فرض ہے کہ ان کی خبر گیری کریں، وقتِ ضرورت ان کے کام آئیں اور ان کا سہارا بنیں۔ قرآن اس معاملے میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تفریق

روا نہیں رکھتا۔ وہ غیر مسلموں پر بھی انفاق کرنے کا حکم دیتا ہے۔ یہی نہیں، بلکہ ساتھ ہی وہ یہ بھی صراحت سے کہتا ہے کہ غیر مسلموں پر محض اللہ کی خوش نودی کے لیے خرچ کیا جائے، ان سے کسی دنیوی منفعت کی امید نہ رکھی جائے اور انہیں مال کے ذریعے اسلام قبول کرنے کا لالچ نہ دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَیْسَ عَلَیْکَ ھُدٰھُمْ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ، وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلِاَنْفُسِکُمْ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْہِ اللّٰہِ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ یُّوَفَّ اِلَیْکُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ[۱]

(البقرۃ: ۲۷۲)

اے نبی! لوگوں کو ہدایت بخش دینے کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے۔ ہدایت تو اللہ ہی جسے چاہتا ہے، بخشتا ہے۔ اور راہِ خیر میں جو مال تم لوگ خرچ کرتے ہو، وہ تمہارے اپنے لیے بھلا ہے۔ آخر تم اسی لیے تو خرچ کرتے ہو کہ اللہ کی رضا حاصل ہو۔ تو جو کچھ مال تم راہِ خیر میں خرچ کروگے اس کا پورا پورا اجر تمہیں دیا جائے گا اور تمہاری حق تلفی ہرگز نہ ہوگی۔

یہ آیت انفاق کے سیاق میں وارد ہوئی ہے۔ اس سے پہلے کی آیات میں اہلِ ایمان سے خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تمہیں عطا کیا ہے، اس سے کھلے چھپے ہر طرح سے، اس کے ضرورت مند بندوں پر خرچ کرو اور شیطان کے پیدا کردہ فقر و فاقہ کے اندیشوں میں مت مبتلا ہو اور اللہ کی راہ میں اپنا اچھا مال خرچ کرو، اس کے لیے خراب مال چھانٹ کر مت رکھو۔ اسی سیاق میں کہا جا رہا ہے کہ جو کچھ خرچ کرو، اس میں اللہ کی خوش نودی اپنے پیش نظر رکھو۔ اس کا فائدہ تمہاری ذات کو پہنچے گا اور تمہیں بھرپور بدلہ دیا جائے گا۔ جو لوگ تمہاری مدد کے مستحق ہیں، ان کا ہدایت یافتہ ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہ مت سوچو کہ ان لوگوں پر اس وقت خرچ کریں گے، جب وہ اسلام لے آئیں گے۔ انہیں ہدایت پر لانا تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔ اللہ جس کو چاہے گا، ہدایت سے نوازے گا۔ تمہارا کام یہ ہے کہ وہ خواہ اسلام قبول کریں یا نہ کریں، اگر وہ ضرورت مند ہیں اور اللہ نے تمہیں نواز رکھا ہے تو ان کی ضرورت پوری کرو۔ روایات

میں آتا ہے کہ ابتدا میں صحابۂ کرام اپنے ان رشتہ داروں پر، جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، خرچ نہیں کرتے تھے، بعض صحابہ نے اس سلسلے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جو لوگ ہمارے ہم مذہب نہیں ہیں، کیا ان کا کچھ مالی تعاون کیا جاسکتا ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ۱۳؎

اعزاز و اکرام

خوش گوار معاشرت کے لیے ضروری ہے کہ سماج کے تمام افراد کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے، ان کے ساتھ اعزاز و اکرام سے پیش آیا جائے اور انہیں اچھے انداز سے مخاطب کیا جائے۔ اس معاملے میں بھی قرآن نے مسلم اور غیر مسلم کے درمیان فرق نہیں کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا (النسائ:۸۶)

اور جب کوئی احترام کے ساتھ تمہیں سلام کرے تو اس کو اس سے بہتر طریقہ کے ساتھ جواب دو یا کم از کم اسی طرح۔

حضرت ابن عباسؓ نے ایک موقع پر فرمایا: ''سلام کا جواب دو، خواہ سلام کرنے والا یہودی ہو یا عیسائی یا مجوسی۔'' اس کے بعد انھوں نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ ۱۴؎

احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کو سلام کیا جاسکتا ہے، ان کے سلام کا جواب دیا جاسکتا ہے، اور ان سے مصافحہ کیا جاسکتا ہے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسی مجلس سے گزر ہوا، جہاں مسلمانوں کے علاوہ یہود اور مشرکین بھی تھے۔ آپؐ وہاں پہنچے تو آپؐ نے سلام کیا۔ ۱۵؎

صحابۂ کرام کا بھی معمول تھا کہ جس سے بھی ان کی ملاقات ہوتی، اسے سلام کرتے تھے اور اس معاملے میں کسی سے کوئی تفریق روا نہ رکھتے تھے۔ وہ دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تاکید کرتے تھے۔ حضرت ابوامامہؓ کی راستہ چلتے ہوئے کسی سے ملاقات ہوتی تو اسے سلام کرتے، خواہ ملنے والا مسلمان ہو یا کوئی اور، چھوٹا ہو یا بڑا۔ ان سے

اس سلسلے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں سلام عام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔۱۶؎ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں بھی روایات میں آتا ہے کہ وہ سلام کرنے میں پہل کرتے تھے، خواہ ملنے والا مسلمان ہو یا غیر مسلم۔۱۷؎

معاملات

معاشرہ کے افراد کو قدم قدم پر ایک دوسرے کے تعاون، مدد اور سہارے کی ضرورت ہوتی ہے اور انہیں باہم مختلف معاملات کرنے پڑتے ہیں۔ ایسا نہ ہو تو ان کے لیے زندگی گزارنا دشوار ہوجائے۔ جس سماج میں مختلف مذاہب کے ماننے والے رہتے ہوں، وہ ایک دوسرے کے کام آسکتے ہیں اور ایک دوسرے سے معاملات کرسکتے ہیں۔ قرآن اس معاملے میں مذاہب کے اختلاف کو رکاوٹ نہیں بناتا۔ اس کی تعلیم یہ ہے کہ اس کے ماننے والے غیر مسلموں کے اشتراک سے کاروبار کرسکتے ہیں، ان سے رہن، مزارعت وغیرہ کے معاملات کرسکتے ہیں، بغیر کسی کراہت کے ان کی مصنوعات استعمال کرسکتے ہیں اور انہیں اپنی چیزیں فروخت کرسکتے ہیں، ان کے یہاں اجرت پر کام کرسکتے ہیں اور انہیں اپنے یہاں کام پر لگا سکتے ہیں۔ غرض ہر طرح کے تجارتی وکاروباری معاملات غیر مسلموں کے ساتھ کیے جاسکتے ہیں۔ مذاہب کے اختلاف سے اس سلسلے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس سلسلے میں قرآن کی اصولی تعلیم یہ ہے:

يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَوْفُوْا بِالْعُقُوْد (المائدۃ:۱) اے لوگو جو ایمان لائے ہو! معاہدوں کی پابندی کرو۔

احادیث وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام غیر مسلموں سے ہر طرح کے معاملات کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخری دنوں میں ایک یہودی کے پاس اپنی زرہ رہن رکھ کر اس سے اپنے گھر والوں کی ضروریات کے لیے کچھ غلہ لیا تھا۔۱۸؎ حضرت عبد الرحمن بن ابی بکرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مشرک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ بکریاں لے کر

آیا۔آپؐ نے اس سے ایک بکری خریدی۔ ۱۹؎ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح خیبر کے بعد وہاں کی زمین یہود کے پاس رہنے دی، اس شرط کے ساتھ کہ وہ ان میں کاشت کریں گے اور انہیں پیداوار کا نصف ملے گا۔ ۲۰؎ سفرِ ہجرت کے موقع پر ایک غیر مسلم کی خدمات حاصل کی گئیں اور اللہ کے رسول ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ نے اس کی رہ نمائی میں مدینہ کا سفر کیا تھا۔ ۲۱؎ حضرت خبابؓ اپنے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ میں لوہار تھا۔ میں نے مکہ میں عاص بن وائل (مشہور مشرک) کا کچھ کام کیا تھا۔ ۲۲؎

امام نوویؒ ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اہل ذمہ اور دیگر کفار سے معاملات کیے جاسکتے ہیں بشرطے کہ ان معاملات میں کوئی حرام چیز شامل نہ ہو۔'' ۲۳؎

رواداری

تکثیریت کا بنیادی عنصر رواداری ہے۔یعنی اپنے عقیدہ و مذہب کو حق سمجھتے ہوئے اس سے اختلاف رکھنے والوں کی یہ آزادی تسلیم کرنا کہ وہ جو عقیدہ و مذہب چاہیں اختیار کرسکیں۔قرآن اس کا علم بردار ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لاَ إِكْرَاهَ فِيْ الدِّيْنِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرۃ:۲۵۶)

دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ بے شک ہدایت گم راہی سے ممتاز ہوگئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رضا تو اس میں ہے کہ تمام انسان سیدھے راستے پر چلیں اور اس کی معصیت سے بچیں لیکن اس کی مشیت یہ ہے کہ وہ اپنی آزادی سے اپنے لیے عقیدہ و مذہب کا انتخاب کریں۔چنانچہ اس نے بہ جبر تمام انسانوں کو مسلمان نہیں بنایا ہے اور اپنے پیغمبر کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ اس معاملے میں جبر سے کام نہ لیں۔قرآن میں صاف الفاظ میں کہا گیا ہے:

وَلَوْ شَاء رَبُّکَ لآمَنَ مَن فِیْ الأَرْضِ کُلُّھُمْ جَمِیْعاً أَفَأَنتَ تُکْرِہُ النَّاسَ حَتَّی یَکُونُواْ مُؤْمِنِیْن (یونس:۹۹)

اگر تیرے رب کی مشیّت یہ ہوتی (کہ زمین میں سب مومن و فرماں بردار ہی ہوں) تو سارے اہلِ زمین ایمان لے آئے ہوتے۔ پھر کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن ہوجائیں؟

قرآن میں یہ بات بہت زور دے کر کہی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے سامنے حق واضح کردیا ہے، ساتھ ہی انھیں ارادہ واختیار کی آزادی بخشی ہے کہ وہ چاہیں تو اسے قبول کرکے دائرۂ اسلام میں آجائیں اور چاہیں تو کفر کی روش پر قائم رہیں:

إِنَّا ھَدَیْنَاہُ السَّبِیْلَ إِمَّا شَاکِراً وَإِمَّا کَفُوراً۔(الدھر:۳)

ہم نے اسے راستہ دکھادیا، خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّکُمْ فَمَن شَآئَ فَلْیُؤْمِنْ وَمَن شَآئَ فَلْیَکْفُرْ۔ (الکہف:۲۹)

صاف کہہ دو کہ یہ حق ہے تمھارے رب کی طرف سے۔ اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کردے۔

دوسرے مذاہب کی محترم شخصیتوں کا احترام

قرآن اہلِ مذاہب سے مکالمہ کا قائل ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ حق واضح کیا جائے اور باطل کی تردید کی جائے اور دیگر مذاہب کے پیروکاروں نے اپنی مذہبی تعلیمات میں جو غلط باتیں شامل کرلی ہیں انھیں چھانٹ کر الگ کردیا جائے، لیکن وہ تاکید کرتا ہے کہ مذاکرہ و مباحثہ میں سنجیدگی، متانت اور شائستگی ملحوظ رکھی جائے اور ایسا لہجہ نہ اختیار کیا جائے کہ ان کے مذہبی جذبات مجروح ہوں۔ اس سیاق میں اس نے ان شخصیتوں کے بارے میں، جن سے وہ عقیدت رکھتے ہیں، نازیبا کلمات منہ سے نکالنے سے منع کیا ہے۔ اس کی سخت تاکید ہے:

وَلاَ تَسُبُّواْ الَّذِيْنَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللّهِ فَيَسُبُّواْ اللّهَ عَدْواً بِغَيْرِ عِلْمٍ (الانعام:۱۰۸)

اور (اے مسلمانو) یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انھیں گالیاں نہ دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں:

''اللہ سبحانہ نے اس آیت میں بتوں کو برا بھلا کہنے سے منع کیا ہے۔ اس لیے کہ اگر انھیں برا بھلا کہا جائے گا تو ان کی پوجا کرنے والوں کی نفرت اور کفر میں اضافہ ہوگا۔ علماء کہتے ہیں کہ اس آیت کا حکم اس امت کے لیے ہر زمانے میں باقی ہے۔''۲۴؎

امام رازیؒ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کفار کے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے منع کیا ہے۔ اس لیے کہ ممکن ہے کہ اس کے جواب میں وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں نازیبا کلمات کہنے لگیں۔ اس سے اس پہلو کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ اگر تمھارا مخالف جہل اور نادانی کا مظاہرہ کرے تو تمھارے لیے جائز نہیں کہ تم بھی اسی طرح کی باتیں کرنے لگو۔ اس لیے کہ اس طرح باہم جھگڑے اور گالم گلوچ کی نوبت آسکتی ہے اور یہ عقل مندوں کا شیوہ نہیں ہے۔''۲۵؎

غیر مسلموں سے 'دوستی' کی ممانعت کا صحیح مفہوم

قرآن پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس نے مسلمانوں کو دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ 'دوستانہ تعلقات' رکھنے سے منع کیا ہے اور انھیں 'دشمن' کہا ہے۔ ظاہر ہے کہ دشمنوں کے بارے میں بغض ونفرت کے جذبات پروان چڑھتے ہیں، ان سے کسی طرح کا تعلق نہیں رکھا جاتا، بلکہ انھیں نقصان پہنچانے کی تدبیریں کی جاتی

ہیں۔ اس اعتراض پر بہ طور دلیل اس طرح کی آیات پیش کی جاتی ہیں:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔	اے لوگو جو ایمان لائے ہو، مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔

(النساء: ۱۴۴)

ایسی آیات پر ان کے صحیح تناظر میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اہل ایمان سے کہا گیا ہے کہ وہ کافروں کو 'اولیاء' نہ بنائیں۔ اولیاء ولی کی جمع ہے۔ اس کا مادہ 'ول ی' اور مصدر 'ولاء' ہے۔ ولاء کا مفہوم یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد چیزیں اس طرح یکجا ہوں کہ ان کے درمیان کوئی ایسی چیز نہ ہو جو ان سے مغایر ہو۔ اسی سے استعارۃً یہ لفظ قربت کے معنی میں استعمال ہونے لگا، خواہ یہ قربت جگہ کی ہو یا تعلق کی یا مذہب کی یا دوستی، مدد اور عقیدہ کی۔ جس شخص سے مذکورہ نوعیتوں میں سے کسی نوعیت کا تعلق ہو، اس کے لیے 'ولی' اور 'مولیٰ' دونوں الفاظ مستعمل ہیں۔۲۶ ایسی آیتوں میں لفظ 'اولیاء' انتہائی قربت کے معنیٰ میں آیا ہے۔ علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں:

(لاتتّخذوهم أولیاء) تنصرونهم وتستنصرونهم وتؤاخونهم و تصافونهم وتعاشرونهم معاشرة المؤمنین۔۲۷	اللہ تعالیٰ کے ارشاد 'کافروں کو اولیاء نہ بناؤ' کا مطلب یہ ہے کہ ان سے تمھارا معاملہ ایسا نہ ہو کہ تم ان کی مدد کرو، ان سے مدد چاہو، ان سے بھائی چارہ اور خلوص و محبت کے تعلقات رکھو اور ان کے ساتھ اس طرح گھل مل کر رہو جس طرح اہل ایمان باہم رہتے ہیں۔

ان حالات کو بھی نگاہ میں رکھنا ضروری ہے جن میں مسلمانوں کو 'کافروں' سے انتہائی قربت کا تعلق رکھنے سے منع کیا گیا تھا۔ مسلمان سخت حالات سے گزر رہے تھے۔ ان کے خلاف ان کے دشمنوں نے جنگ برپا کر رکھی تھی اور انھیں بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے درپے تھے۔ یہود و نصاریٰ کا رویّہ بھی کھلی دشمنی پر مبنی تھا۔ وہ مسلمانوں کے

خلاف کافروں کا ساتھ دے رہے تھے۔ ایک تیسرا گروہ منافقین کا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو ظاہر میں اسلام کا دم بھرتے تھے اور انھوں نے خود کو مسلمانوں میں شامل کر رکھا تھا، لیکن حقیقت میں وہ کافروں سے ملے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کو کوئی کامیابی ملتی تو ان کے سینوں پر سانپ لوٹتے تھے اور انھیں کچھ نقصان پہنچتا تو خوشیاں مناتے تھے۔ یہ سارے لوگ اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی پر متحد تھے۔ ایسے حالات میں اپنے دشمنوں سے قریبی تعلق رکھنا مسلمانوں کے لیے انتہائی خطرناک تھا۔ یہ چیز دینی حیثیت سے بھی ضرر رساں تھی اور سیاسی اعتبار سے بھی۔ اسی لیے قرآن نے الگ الگ ہر گروہ کے بارے میں وضاحت سے مسلمانوں کو تاکید کی کہ ان سے 'ولایت' کا تعلق نہ رکھیں۔ (ملاحظہ کیجیے آیات: النسائ: ۱۴۴، المائدۃ: ۵۱، النسائ: ۸۹) اس معاملہ میں قرآن نے اس حد تک تاکید کی کہ جن لوگوں کے باپ اور بھائی دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہوئے ہیں اور انھوں نے ایمان پر کفر کو ترجیح دی ہے، ان سے بھی قربت کا ویسا تعلق نہ رکھا جائے، جیسا کہ اہل ایمان کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔ اس لیے کہ مبادا ان کے واسطے سے ان کے اسرار کفار تک نہ پہنچ جائیں (التوبۃ: ۲۳)

قرآن کریم کی بعض آیات میں ان اسباب کی وضاحت کر دی گئی ہے جن کی بنا پر مسلمانوں کے علاوہ دوسروں سے انتہائی قربت کا تعلق رکھنے سے منع کیا گیا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ لاَ تَتَّخِذُواْ الَّذِيْنَ اتَّخَذُواْ دِيْنَكُمْ هُزُواً وَلَعِباً مِّنَ الَّذِيْنَ أُوتُواْ الْكِتٰبَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَآئَ۔ (المائدۃ: ۵۷)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمھارے پیش رَو اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے تمھارے دین کو مذاق اور تفریح کا سامان بنالیا ہے، انھیں اور دوسرے کافروں کو اپنا دوست اور رفیق نہ بناؤ۔

سورۂ ممتحنہ میں ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاء۔ (آیت ۱)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔

اسی سورت میں آگے ہے:

إِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوكُمْ فِي الدِّيْنِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُوْلٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ۔ (آیت ۹)

وہ تمھیں جس بات سے روکتا ہے وہ تو یہ ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی کرو جنھوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ کی ہے اور تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا ہے اور تمھارے اخراج میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے۔ ان سے جو لوگ دوستی کریں وہی ظالم ہیں۔

پہلی آیت میں بتایا گیا کہ ان لوگوں نے تمھارے دین کو مذاق اور کھیل بنا رکھا ہے، اس کو وہ سنجیدگی سے نہیں لے رہے ہیں۔ دوسری آیت میں کہا گیا کہ وہ اللہ کے اور تمھارے دشمن ہیں اور تیسری آیت میں یہ وضاحت کی گئی کہ وہ محض دین کی وجہ سے تم سے جنگ کر رہے ہیں، تمھیں تمھارے وطن سے نکالا ہے یا اس میں مدد کی ہے۔ یہ اسباب بجا طور پر اس بات کے متقاضی تھے کہ ان سے قریبی تعلق نہ رکھا جائے۔

یہی مضمون ایک دوسری آیت میں یوں مذکور ہے:

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالاً وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُوْرُهُمْ أَكْبَرُ۔ (آل عمران: ۱۱۸)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنی جماعت کے لوگوں کے سوا دوسروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ۔ وہ تمھاری خرابی کے کسی موقع سے فائدہ اٹھانے سے نہیں چوکتے۔ تمھیں جس چیز سے نقصان پہنچے وہی ان کو محبوب ہے۔ ان کے دل کا بغض ان کے منہ سے نکلا پڑتا ہے اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے شدید تر ہے۔

اس آیت میں لفظ 'بطانة' کے استعمال میں بڑی بلاغت پائی جاتی ہے۔ بطانة کپڑے کے اندرونی حصے کو کہتے ہیں، جو جسم سے متصل ہوتا ہے۔ بہ طور استعارہ

اس کا اطلاق اس شخص پر کیا جاتا ہے جسے آدمی اپنا گہرا دوست اور ہم دم وہم راز بنالے۔۲۸؎ اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ اپنے علاوہ دوسروں سے اتنا قریبی تعلق استوار نہ کرلو کہ ان پر اپنے راز منکشف کردو۔ اس لیے کہ وہ لوگ تمھارے بہی خواہ نہیں ہیں، تمھیں نقصان پہنچانے کا کوئی موقع وہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اور تم سے دشمنی اور نفرت ان کے رویّے سے عیاں ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ غیر مسلموں سے صرف ایسے قریبی تعلق سے منع کیا گیا ہے جس سے اسلامی ریاست کے سیاسی وعسکری راز دشمنوں پر منکشف ہوجائیں اور مسلمانوں کے مسائل میں اضافہ ہوجائے اور یہ ممانعت صرف ان لوگوں سے ہے جو مسلمانوں کے ساتھ برسر جنگ ہوں یا ان کے دشمنوں کے مددگار بنے ہوئے ہوں۔ جہاں تک عام انسانی اور سماجی تعلقات رکھنے کی بات ہے وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہے۔ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں:

الاحسان والهبة مستثناة من الولایة۲۹؎	غیر مسلموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور انھیں کچھ دینا 'ولایت' میں شامل نہیں ہے۔

مخالفوں سے لڑنے اور انھیں قتل کرنے کے احکام کا پس منظر

قرآن پر ایک بڑا، بلکہ شاید سب سے بڑا اعتراض اس کے تصور جہاد پر ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ غیر مسلموں سے جنگ کریں، ان کے ساتھ سختی سے پیش آئیں، ان کے لیے گھات لگائیں اور انھیں جہاں پائیں قتل کریں۔ بہ طور دلیل یہ آیات پیش کی جاتی ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً۔ (التوبۃ:۱۲۳)	اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جنگ کرو ان کافروں سے جو تمھارے پاس ہیں اور چاہیے کہ وہ تمھارے اندر سختی پائیں۔
فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ۔ (التوبۃ:۵)	۔۔۔تو مشرکوں کو قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں پکڑو اور گھیرو اور ہر گھات میں ان کی خبر لینے کے لیے بیٹھو۔

اس طرح کی آیات پیش کرکے یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ جب تک یہ آیات ہیں اس وقت تک مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان بقائے باہم ممکن نہیں۔

یہ غلط فہمی درحقیقت جنگ کے بارے میں قرآن کے احکام وتعلیمات کو صحیح تناظر میں نہ دیکھنے اور متعلقہ آیات کو ان کے سیاق و سباق سے ہٹاکر پڑھنے کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ اس موضوع پر متعدد پہلوؤں سے غور کرنے کی ضرورت ہے:

(الف) جب مسلمانوں کو حد سے زیادہ ستایا جانے لگا تب انھیں اجازت دی گئی کہ وہ اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا جواب دے سکتے ہیں:

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ۔ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّآ أَنْ يَقُولُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ۔ (الحج:۳۹-۴۰)

اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جارہی ہے، کیوں کہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے، صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے: ہمارا رب اللہ ہے۔

اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ جنگ کا آغاز مسلمانوں نے نہیں کیا تھا، بلکہ جنگ ان پر تھوپی گئی تھی۔ دشمنوں کا منصوبہ تھا کہ مسلمانوں کو، جو ابھی کم زور ہیں، ابتدائی مرحلے ہی میں کچل دیں اور شمعِ اسلام کو اپنی پھونکوں سے گل کردیں۔ اس صورت حال میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ان کا منہ توڑ جواب دیں اور ان کے منصوبوں کو خاک میں ملادیں، لیکن اس وقت بھی انھیں تاکید کی گئی کہ ان کے ساتھ جتنی زیادتی کی گئی ہے اتنا ہی بدلہ لیں، حد سے تجاوز نہ کریں:

وَقَاتِلُوا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۔ (البقرۃ:۱۹۰)

اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں، مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

(ب) قرآن کریم میں مذکور آیاتِ قتال کا تعلق عام حالات سے نہیں ہے،

بلکہ ان میں دورانِ جنگ کے سلسلے کی ہدایات دی گئی ہیں۔ جب کسی گروہ سے جنگ برپا ہوتو میدانِ جنگ میں ایک فریق دوسرے فریق کے ساتھ کوئی رؤ رعایت نہیں برتتا، بلکہ ہر ایک کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے مخالف کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچائے اور اس کے افراد کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں قتل کر کے اس کی فوجی طاقت پارہ پارہ کردے۔ اس موقع پر کسی کم زوری اور نرمی کا مظاہرہ خود اپنے کو ہلاکت میں ڈالنے کے مثل ہے۔

(ج) جنگ ایک ناپسندیدہ، لیکن ناگزیر صورت حال ہے۔ اسی لیے مختلف مذاہب میں اس کے بارے میں احکام پائے جاتے ہیں۔ جن مذاہب میں جنگ سے متعلق کسی طرح کی تعلیم نہیں ملتی، ان کے پیروؤں کو بھی مختلف مواقع پر جنگ کرنے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔ مذہبی کتابوں میں جنگ سے متعلق احکام وقوانین ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کا تعلق دشمن قوم کے ساتھ عام برتاؤ سے ہے، بلکہ ظاہر ہے کہ ان میں جنگ کی مخصوص صورت حال کا بیان ہے۔ مثال کے طور پر ذیل میں ہندومت کی مذہبی کتابوں کے چند حوالے دیے جاتے ہیں:

> ''اے اِندر، ہم کو بہادرانہ سطوت عطا کر، آزمودہ کاری اور اس روز افزوں قوت کے ساتھ، جو مال غنیمت حاصل کرتی ہے۔ تیری مدد سے ہم جنگ میں اپنے دشمنوں کو مغلوب کریں، چاہے وہ اپنے ہوں یا پرائے، ہم ہر دشمن پر فتح مند ہوں۔ اے بہادر، ہم تیری مدد سے دونوں قسم کے دشمنوں کو قتل کر کے خوش حال ہوں، بڑی دولت کے ساتھ''۔ ۳۰

> ''اے اگنی، ہماری مزاحمت کرنے والی جماعتوں کو مغلوب کر، ہمارے دشمنوں کو بھگادے۔ اے اجیت، دیوتاؤں کو نہ ماننے والے حریفوں کو قتل کر اور اپنے پجاری کو عظمت وشوکت نصیب کر''۔ ۳۱

> ''اے مینو، طاقت ور سے زیادہ طاقت ور ہو کر ادھر آ اور اپنے غضب سے ہمارے تمام دشمنوں کو ہلاک کردے، دشمنوں اور ورتیروں اور دسیوں کو قتل

کرنے والے۔تو ہمارے پاس ہر قسم کی دولت اور خزانے لا''۔۳۲؎

بھاگوت گیتا کا تو موضوع ہی جنگ ہے۔ یہ دراصل کرشن جی کے اس طویل اپدیش پر مشتمل ہے جو انھوں نے پانڈوؤں کے سردار ارجن کو، جنگ پر ابھارنے اور لڑنے کی ترغیب دینے کے لیے دیا تھا۔

(د) ایک چیز یہ بھی ملحوظ رکھنے کی ہے کہ ان آیات کا خطاب اسلامی ریاست اور اس کی فوج سے ہے۔قرآن نے تمام مسلمانوں کو کھلی چھوٹ نہیں دے دی ہے کہ وہ جب چاہیں اور جہاں چاہیں، غیر مسلموں کو قتل کر دیں، بلکہ اسلامی ریاست سے دشمنی رکھنے والے غیر مسلموں سے جنگ کا فیصلہ کرنے کا اختیار صرف سربراہِ ریاست کو ہے۔ اسی کو طے کرنا ہے کہ جنگ کی جائے یا نہیں؟ اور کی جائے تو کب اور کیسے؟ رعایا پر ہر حال میں اس کی اطاعت لازم ہے۔علامہ ابن قدامہؒ نے لکھا ہے:

أمر الجهاد مو كول الى الامام واجتهاده، ويلزم الرعيّة طاعته فيما يراه من ذلک۔۳۳؎	جہاد کا معاملہ سربراہِ ریاست کے ذمّے ہے۔وہی اس کا فیصلہ کرے گا اور رعایا پر اس کے فیصلے کو تسلیم کرنا لازم ہے۔

جن آیات میں 'کفار ومشرکین' سے جنگ کا حکم دیا گیا ہے، اگر ان کا مطالعہ ان کے سیاق میں کیا جائے اور ان حالات کو بھی پیش نظر رکھا جائے جن میں وہ نازل ہوئی تھیں تو کوئی اعتراض وارد نہیں ہوگا، بلکہ پڑھنے والے پر ان کی معقولیت آشکارا ہوگی۔

حواشی ومراجع

۱؎ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، الہیئۃ المصریۃ العامۃ، ۱۹۸۷ئ، ۱۲۶/۱۴

۲؎ ایضاً

۳؎ ایضاً، ۱۸۳/۵۔علامہ قرطبی نے ان کا نام نوف الشامی بتایا ہے۔

۴؎ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یؤذ جارہ، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الحث علی اکرام الجار

۵۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب اثم من لا یأمن جارہ بوائقہ، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم ایذاء الجار

۶۔ بخاری، الادب المفرد، ۱/۲۲، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی حق الجوار

۷۔ ابن کثیر، ابوالفداء عمادالدین اسماعیل، تفسیر القرآن العظیم (تفسیر ابن کثیر) المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ مصر، ۱۳۵۶ھ، ۴/۳۴۹، لسان العرب، ۴/۵۴، مادہ 'بر'

۸۔ راغب الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، المطبعۃ المیمنیۃ مصر، ۱۳۲۴ھ، ص ۹۳

۹۔ ابن العربی، ابوبکر محمد بن عبداللہ المالکی الاشبیلی، احکام القرآن، مطبعۃ السعادۃ مصر، ۱۳۳۱ھ، ۲/۲۴۹، الماوردی، ابوالحسن علی بن حبیب البصری، النکت والعیون (تفسیر الماوردی)، مطابع المقھوی الکویت، ۱۴۰۲ھ، ۴/۲۲۳، تفسیر قرطبی، ۱۸/۵۹، رازی، فخرالدین محمد بن عمر، مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) المطبعۃ العامرۃ مصر، ۱۳۰۸ھ، ۸/۱۳۴

۱۰۔ تفسیر قرطبی، ۱۸/۵۹

۱۱۔ حوالہ سابق

۱۲۔ تفسیر کبیر، ۸/۱۳۴

۱۳۔ ابوجعفر محمد بن جریر الطبری، جامع البیان عن تأویل آی القرآن (تفسیر الطبری)، دارالمعارف مصر ۱۹۶۹ئ، ۵/۵۸۸، تفسیر کبیر، ۲/۳۶۵

۱۴۔ بخاری، الادب المفرد، باب کیف الرد علی أھل الذمۃ، ۲/۵۳۳

۱۵۔ صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، باب التسلیم فی مجلس فیہ أخلاط من المسلمین و المشرکین، صحیح مسلم، کتاب الجھاد، باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم......الخ

۱۶۔ احمد بن علی بن حجر العسقلانی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، دار المعرفۃ بیروت، ۱۱/۴۱

۱۷۔ عبدالرزاق، المصنّف، کتاب أھل الکتاب، باب السلام علی أھل الکتاب

۱۸۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب شراء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالنسیئۃ و دیگر ابواب، صحیح مسلم،

کتاب المساقاۃ، باب الرھن و جوازہ فی الحضر کالسفر

۱۹؎ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب الشراء و البیع مع المشرکین وأھل الحرب، صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب اکرام الضیف

۲۰؎ صحیح بخاری، کتاب المزارعۃ، باب المزارعۃ مع الیھود و دیگر ابواب، صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب المساقاۃ والمعاملۃ بجزء من الثمر والزرع

۲۱؎ صحیح بخاری، کتاب الاجارۃ، باب استئجار المشرکین عند الضرورۃ

۲۲؎ صحیح بخاری، کتاب الاجارۃ، باب ھل یواجر الرجل نفسہ من مشرک فی دار الحرب

۲۳؎ نووی، شرح صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب الرھن

۲۴؎ تفسیر قرطبی

۲۵؎ تفسیر کبیر

۲۶؎ المفردات فی غریب القرآن، ۵۵۵

۲۷؎ ابو القاسم جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل، مصطفی البابی الحلبی و اولادہ مصر، ۱۹۷۳ئ، ۱/ ۶۱۹

۲۸؎ تفسیر طبری، ۷/ ۱۳۸، کشاف، ۱/ ۴۵۸، تفسیر قرطبی، ۴/ ۱۷۸

۲۹؎ تفسیر قرطبی، ۸/ ۹۴

۳۰؎ رگ وید، ۶:۱:۸۔ ۱۳

۳۱؎ یجر وید، ۹:۷ ۳

۳۲؎ اتھر وید، ۴:۲ ۳:۱۔ ۳

۳۳؎ ابن قدامۃ، ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد المقدسی، المغنی علی مختصر الخرقی، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ ریاض، ۱۹۸۱ئ، ۸/ ۳۵۲

☆☆☆

حکومت کے ذرائعِ آمدنی اور ان کی تحصیل کے بنیای اصول
اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

ڈاکٹر سعدیہ گلزار

اسلام خالقِ کائنات کی طرف سے انسان کے لیے ایک پیغامِ ہدایت اور مکمل ضابطۂ حیات ہے، جو زندگی کے ہر پہلو میں رہ نمائی فراہم کرتا ہے۔ وہ معاشیات کے میدان میں بھی صحیح سمت کا تعین کرتا ہے، تاکہ معاشی سرگرمیوں میں توازن رہے اور معاشرتی ناہمواریاں جنم نہ لے سکیں۔ عرب کی معیشت سود پر مبنی تھی اور مالی نظام میں بھی اخلاقی خرابیاں رائج تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے ناجائز رسوم کو ختم کر دیا اور ان کے مقابلے میں اسلامی معاشی نظام قائم کیا۔ اسلام سے قبل عرب سے متصل روم (عیسائی مذہب کے پیروکار) اور ایران (مجوسی مذہب کے پیروکار) دو بڑی حکومتیں تھیں۔ ان کے حکم راں عیش وعشرت کا شکار تھے۔ تعیش پر مبنی زندگی گزارنے کے لیے عوام پر بھاری ٹیکس عائد کیے جاتے تھے۔ اس صورت حال میں امراء اور غرباء کی تفریق پیدا ہونا فطری امر تھا۔ عوام سربراہانِ حکومت سے نالاں تھے۔ حکومتیں اخلاقی انحطاط کا بھی شکار تھیں۔ فحاشی اور بے حیائی اس معاشرے میں عام تھی۔ عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں عراق، مصر، شام اور ایران کی فتح کے بعد ظالمانہ اور جبر واستبداد پر مبنی محاصل کو ختم کر کے اسلامی اصولوں پر مبنی محاصل وصول کیے گئے، جن کی وجہ سے عوام کو چین کی زندگی نصیب ہوئی۔

اسلامی ریاست کے ذرائع آمدنی میں زکوۃ، عشر، خراج، جزیہ، مال فے، خمس، کراء الارض، عطیات واوقاف، اموال فاضلہ اور ضرائب (ہنگامی ٹیکس) شامل ہیں۔ عصر حاضر میں اسلامی حکومتیں زیادہ تر زکوۃ وعشر اور دیگر ٹیکس وصول کرتی ہیں۔ اسلامی ذرائعِ آمدنی پر اب

بھی عمل ہوسکتا ہے۔ اگر جنگی حالات ہوں اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوتو مال غنیمت سرکاری خزانے میں جمع کروایا جائے گا، اسی طرح غیر مسلم شہریوں پر اُن کی جان و مال کی حفاظت کے عوض جزیہ عائد کیا جاسکتا ہے۔ زکوۃ، عشر، خراج، جزیہ، خمس، مال فے، عشور اور لگان کے علاوہ حکومت کو اختیار ہے کہ وہ بہ وقتِ ضرورت ٹیکس عائد کرسکتی ہے۔ تاہم ضروری ہے کہ یہ محاصل ضرورت کے مطابق لیے جائیں، کیوں کہ اسلام میں عوام پر غیر ضروری مالی بوجھ ڈالنے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ ذیل میں اسلامی ریاست کی جانب سے محاصل کی تحصیل کے بنیادی اصولوں کا تفصیلی جائزہ لیا جارہا ہے:

۱۔ عقیدہ ونظریہ

حکومت کا اہم ذریعۂ آمدنی زکوٰۃ ہے۔ اسلامی ریاست کا مسلمان شہری زکوۃ محض اپنا مذہبی فریضہ اور عبادت سمجھ کر ادا کرتا ہے۔ ٹیکس کو قانونی یا نظری بنیاد پر لازمی قرار دیا جاتا ہے، لیکن زکوۃ کی حیثیت دینی فریضہ کی ہے۔ یہی زکوۃ اور ٹیکس کے درمیان بنیادی فرق ہے۔ زکوۃ نہ صرف اسلامی نظام مالیات کا اہم ستون ہے، بلکہ اسلام کا اہم ترین رکن ہے۔ قرآن مجید میں فرضیت زکوۃ کے احکام کا تیس (۳۰) مقامات پر ذکر کیا گیا ہے، جن میں سے ستائیس (۲۷) مقامات پر زکوٰۃ کا ذکر صلوٰۃ (نماز) کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اسلامی مملکت کے حکم راں کے فرائض میں زکوٰۃ کی جمع وتقسیم بھی شامل ہے۔ (الحج:۴۱) چنانچہ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں جب بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو انھوں نے ان کے خلاف جہاد کا اعلان کیا اور فرمایا:

واللّٰہ لأقاتلنّ من فرّق بین الصّلاۃ والزکاۃ، فان الزّکاۃ حق المال، واللّٰہ لو منعوني عناقاً کانوا یؤدّونھا الی رسول اللّٰہ ﷺ لاقاتلتھم	اللہ کی قسم، میں اس شخص سے لڑوں گا جو نماز اور زکوۃ میں فرق کرے گا۔ کیوں کہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم، اگر وہ مجھ سے بکری کا بچہ روکے رکھیں گے جو رسول اللہ ﷺ

علی منعھا۔ قال عمرؓ: فواللہ ماھو الا أن شرح اللہ صدر أبی بکرؓ، فعرفت انہ الحق ا۔

کے دور میں دیا کرتے تھے تو میں ان سے اُس کے روکنے کی وجہ سے جہاد کروں گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کا سینہ کھول دیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہی سچ ہے۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی رحمہ اللہ لازمی بنیادوں پر زکوۃ کی ادائیگی کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''بے شک زکوۃ بہ یک وقت مالی حق بھی ہے اور عبادت بھی۔ زکوۃ مالی حق ہے، جو ریاست وصول کرتی ہے۔ اگر دہندگان اسے رضامندی سے نہ دیں تو ریاست جبراً لے سکتی ہے۔ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی معاشرے کے مصالح پر صرف ہوتی ہے۔ اس سے قبل زکوۃ عبادت ہے۔ وہ شعائرِ اسلام میں سے ہے۔ اس کی ادائیگی تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے۔ بندہ زکوۃ کی ادائیگی کے ساتھ جان لیتا ہے کہ وہ اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن ادا کر رہا ہے اور ایمان کے ایک حصہ کو انجام دے رہا ہے۔ اس کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ اس سے کسی بندے کی مدد کرتا ہے۔ اس بنا پر زکوۃ کی ادائیگی اطاعت اور صلاح (نیکی) ہے، اس کا نہ دینا صریح فسق ہے اور اس کا انکار کھلا ہوا کفر ہے۔ پس یہ اللہ کا حق ہے جو زکوۃ دہندہ کی تاخیر، حکومت کے تساہل اور مدت کے گزرنے سے ساقط نہیں ہوتا۔'' ۲۔

زکوۃ کی ادائیگی کے ساتھ عشر کی ادائیگی بھی لازمی قرار دی گئی ہے۔ زمینی پیداوار کا عشر زکوۃ کی ایک قسم ہے۔ فقہاء کرام نے اس فریضہ کی بنیاد اس آیت قرآنی پر رکھی ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الأَرْضِ (البقرۃ: ۲۶۷)

اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے اور زمین میں سے تمھارے لیے ہماری نکالی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرو۔

زکوٰۃ وعشر کی ادائیگی لازم ہے۔اسی وجہ سے زکوۃ ادا نہ کرنے والے قبائل کے خلاف حضرت ابوبکرؓ نے جہاد فرمایا، تاکہ اسلامی معاشرے کے افراد زکوۃ کی ادائیگی میں غفلت نہ برتیں اور اس کو اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دیں۔ زکوٰۃ اسلامی مالیاتی پالیسی کا ایک اہم حصہ ہے،جس کا استعمال معاشی ترقی اور استحکام کے لیے ناگزیر ہے۔زکوۃ معاشرے کی معاشی صورت حال بہتر بنانے ، دولت گردش میں رکھنے اور غربت ختم کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔نظامِ زکوۃ کے نفاذ سے رضائے الٰہی کا حصول ممکن ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق کو ، اللہ کا نائب ہونے کی حیثیت سے ضرورت مندوں کی کفالت پر خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۲۔ فوز وفلاح

اسلامی تعلیمات کی رُو سے دنیوی اور اُخروی بھلائیوں کا حصول ایک مومن کا مقصدِ حیات ہے۔البتہ اس کی اصل کام یابی اپنے آپ کو جنت کا مستحق بنانا اور جہنم کی آگ سے بچانا ہے۔ارشاد خداوندی ہے:

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّار	اے ہمارے رب !ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذابِ جہنم سے نجات دے۔ (البقرۃ:۲۰۱)

اسلام کے نظام محاصل کی وصولی میں فوز و فلاح کا تصور بھی کارفرما ہے ۔ اسلامی ریاست کا شہری جبراً نہیں، بلکہ اپنی دنیوی واخروی فلاح سمجھ کر مالی واجبات ادا کرتا ہے۔آخرت کے ساتھ دنیا کی بھلائیوں اور ترقیوں کا حصول انفرادی اور اجتماعی حق بھی ہے اور ذمہ داری بھی۔ اسلام معاشی فلاح و بہبود کا خواہاں ہے اور چاہتا ہے کہ تمام تر معاشی ترقی اخلاق فاضلہ کی اعلیٰ بنیاد پر ہو، کیوں کہ ایمان کے بعد دین کا اہم ترین مطالبہ تزکیہ ہے۔گویا اسلام ایسی معاشی فلاح و بہبود پر زور دیتا ہے جس میں افراد روحانی اور ذہنی طور پر مطمئن ہوں۔تزکیۂ نفس کا ایک اہم ذریعہ زکوۃ کی ادائیگی بھی ہے۔ مال کی ادائیگی سے انسان کا نفس بخل سے پاک ہو جاتا ہے ۔ اس سے انسانی نفس کی اصلاح اور روحانی فلاح ہوتی ہے،جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓی إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلٰی وَلَسَوْفَ یَرْضٰی (اللیل: ۱۸-۲۰)

جو پاکی حاصل کرنے کے لیے اپنا مال دیتا ہے۔ کسی کا اُس پر کوئی احسان نہیں کہ جس کا بدلہ دیا جارہا ہو، بلکہ صرف اپنے پروردگار بلند و بالا کی رضا چاہنے کے لیے۔ یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ بھی) عن قریب رضا مند ہو جائے گا۔

زکوۃ کی ادائیگی سے انسان کا نفس اور مال دونوں پاک صاف ہو جاتے ہیں۔ زکوۃ کی وصولی کی حکمت قرآن مجید میں تزکیہ بیان کی گئی ہے:

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا (التوبۃ: ۱۰۳)

ان کے مالوں میں سے صدقہ (زکوۃ) وصول کر لیجیے، جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کر دیں۔

قرآن مجید اس معاملے میں بالکل واضح ہے کہ جو شخص ایمان اور عمل صالح کے ساتھ اللہ کے حضور میں آئے گا، اس کے لیے جنت ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ زکوۃ اسلام کا اہم رکن ہے، اس لیے اس کی ادائیگی جنت کے حصول کا ذریعہ اور عدم ادائیگی جہنم میں جانے کا باعث ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنفِقُونَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِیْمٍ، یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰی بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ (التوبۃ: ۳۴-۳۵)

وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کرتے رہتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری دے دیجیے۔ جس دن اس خزانے کو آتشِ دوزخ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی۔ (ان سے کہا جائے گا) یہ ہے جسے تم نے اپنے لیے خزانہ بنا کر رکھا تھا۔ پس اپنے خزانہ کا مزہ چکھو۔

زکوۃ کی عدم ادائیگی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوزخ کی وعید سنائی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ”جن مویشیوں کی زکوۃ دنیا میں ادا نہ کی گئی ہوگی، وہ قیامت کے دن خوب موٹے تازے اچھے بن کر آئیں گے اور اپنے مالک کو پاؤں سے روندیں گے۔ ۳؎ آپؐ

نے زکوۃ کی عدم ادائیگی کی وجہ سے عذاب جہنم کے بارے میں فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جس شخص کو مال دے اور وہ اس کی زکوۃ ادا نہ کرے، وہ مال قیامت کے دن ایک گنجے سانپ کی شکل میں آئے گا۔ اس کی آنکھوں پر دو کالے ٹیکے (داغ) ہوں گے۔ وہ اس کے گلے کا طوق بن جائے گا اور اس کی دونوں باچھیں پکڑ کر کہے گا: ''میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں''۔۴؎ اسی طرح آپؐ نے زکوٰۃ کی ادائیگی پر جنت کی خوش خبری دی ہے۔ ایک شخص نے آپؐ سے عرض کیا: مجھے کوئی ایسا کام بتایئے جو مجھ کو جنت میں لے جائے۔آپؐ نے فرمایا: ''صرف اللہ کی عبادت کرو اور کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور صلہ رحمی کرو''۔۵؎ ایک حدیث میں ہے کہ ''اگر انسان حسنِ نیت سے ایک کھجور کا ٹکڑا بھی خیرات کرے تو قیامت کے دن وہ دوزخ کے عذاب سے بچنے کا ذریعہ بنے گا''۔۶؎ ''زکوٰۃ وصدقات انسان کے گناہوں کو اس طرح ختم کر دیتے ہیں جس طرح پانی آگ کو''۔۷؎

زکوٰۃ کی ادائیگی سے انسان آخرت میں سرخرو ہوگا اور خود کو جہنم کے عذاب سے بچالے گا۔ اخروی فلاح کا حصول ایک مومن کا مقصدِ حیات ہوتا ہے اور وہ اسی صورت میں حاصل ہوسکتا ہے جب وہ احکام الٰہی پر کاربند رہے اور دیگر فرائض کے علاوہ مالی فرض بھی بجالائے۔

۳۔ حلال وحرام

اسلامی تعلیمات کی رُوٗ سے حرام اشیاء کی تجارت ممنوع ہے۔ چنانچہ اس سے حاصل ہونے والے محاصل بھی جائز نہیں ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لاَ تَأْکُلُوا أَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ (النساء:۲۹)	اے ایمان والو! اپنے آپس کے مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین لکھتے ہیں کہ کسی بھی ناجائز ذریعہ سے دولت کا حصول شریعتِ اسلامی میں ممنوع ہے۔۸؎ اس آیت کی روشنی میں دیکھا جائے کہ اگر تمام حرام کاروبار ممنوع ہیں تو ناجائز ذرائع سے حاصل ہونے والے مال سے زکوۃ اللہ

تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شخص چوری، ڈاکہ زنی سے حاصل کیے گئے مال سے صدقہ کرتا ہے تو وہ بھی اللہ کے ہاں قبول نہیں کیا جاتا۔ حدیث نبوی ﷺ کی رؤ سے ''چوری کے مال سے صدقہ قبول نہیں ہوتا''۔۹؎ ''اللہ تعالیٰ پاک رزق سے کیا گیا صدقہ ہی قبول کرتا ہے''۔۱۰؎ جب حرام اشیاء سے صدقہ قبول نہیں ہوتا تو ان پر ٹیکس بھی لاگو نہیں کیا جائے گا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عمّال کو شراب پر محصول لے کر بیت المال میں جمع کروانے سے منع فرمایا۔۱۱؎ حضرت بلالؓ نے حضرت عمرؓ بن الخطاب کو خبر دی کہ آپ کے عاملین خراج میں خنزیر اور شراب وصول کر رہے ہیں تو انھوں نے حکم جاری کیا کہ ذمیوں سے وہ چیزیں نہ لی جائیں، بلکہ ان کی فروخت کی ذمہ داری خود انہی پر ڈالی جائے اور ان سے صرف نقد قیمت وصول کی جائے۔۱۲؎

جہاں تک اس مسئلے کا تعلق ہے کہ اگر کوئی ذمی شراب اور خنزیر لے کر عاشر (عشر وصول کرنے والے) کے پاس آئے تو کیا ان اشیاء کا عشر وصول کیا جائے گا یا نہیں؟ اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کا عشر نہیں لیا جائے گا، کیوں کہ شریعتِ اسلامی میں ان دونوں کی کوئی قیمت نہیں۔ امام زفرؒ کے نزدیک دونوں کا عشر لیا جائے گا، کیوں کہ مالیت میں ذمیوں کے نزدیک یہ دونوں مساوی ہیں۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر ذمی ان دونوں کو اکٹھا لے کر گزرے تو عاشر دونوں کا عشر وصول کرے گا۔ گویا امام ابو یوسفؒ کی رائے میں خنزیر کو شراب کے تابع سمجھا جائے گا۔ اگر ذمی دونوں کو الگ الگ لے کر گزرے تو عاشر شراب کا عشر وصول کرے گا، لیکن خنزیر کا نہیں۔۱۳؎ ظاہر الروایۃ کے مطابق اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ خنزیر ذوات القیم میں سے ہے، جب کہ شراب ذوات الامثال ہے۔ (ذوات القیم سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا عین نہ مل سکے، مثلاً اگر غلام کو کوئی شخص قتل کر دے تو اب قیمت دینا ہوگی، کیونکہ اس جیسا غلام دنیا میں دست یاب نہیں ہو سکتا۔ جانور (خنزیر) بھی ذوات القیم ہے، لہٰذا اس کی قیمت اور عشر لینا ذوات القیم میں شمار ہوگا۔ ذوات الامثال وہ ہیں جن کے اموال کی مثال مل سکے، جیسے گندم، کپڑا اور سونا وغیرہ۔

اگر کوئی شخص گندم کو ضائع کر دے تو ویسی ہی گندم مل سکتی ہے۔ شراب ذوات الامثال میں سے ہے۔) تاریخ سے بھی ثابت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے شراب اور سور پر عشر وصول نہیں کیا۔ ۱۴؎ امام ابوعبید القاسمؒ خراج (شراب اور سور کی نقد قیمت) اور عشور (شراب اور سور کی قیمت لینے سے اجتناب) کے اختلاف کے بارے میں لکھتے ہیں کہ خراج ایسا حق ہے جو ذمیوں کی زمینوں پر واجب ہے، لیکن یہاں عشر (چنگی) خود شراب اور سور پر لگایا جا رہا ہے۔ ۱۵؎ خلفاء راشدین کا خنزیر اور شراب کو بہ طور ٹیکس چھوڑنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن وسنت میں ان اشیاء کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالأَنصَابُ وَالأَزْلاَمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُون (المائدۃ:۹۰)

اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور تھان (وغیرہ) اور پانسے کے تیر، یہ سب گندی باتیں، شیطانی کام ہیں، ان سے بالکل الگ رہو، تاکہ تم فلاح یاب ہو۔

اور حدیث میں ہے:

انّ اللّٰہ ورسولہ حرّما بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام ۱۶؎

بے شک اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی تجارت کو حرام قرار دیا ہے۔

لعنت الخمر و شاربها، وساقیها و بائعها، ومبتاعها، و حاملها، والمحمولة إلیه، وعاصرها ومعتصرها، وآکل ثمنها ۱۷؎

شراب پر، اس کے پینے اور پلانے والے پر، خریدنے اور بیچنے والے پر، اسے اُٹھانے والے پر اور جس کے پاس اسے لے جایا جائے، اسے نکالنے والے پر اور اس پر جو نکلوائے اور اس کی قیمت کھانے والے پر لعنت کی گئی ہے۔

شریعت سے جن اشیاء کی حرمت ثابت ہے، اسلامی ریاست میں ان پر ٹیکس عائد کرنا جائز نہیں۔ مثلاً اسلامی ریاست میں سینما ہاوس کی اجازت نہیں اور ان پر عائد

ٹیکس بھی ناجائز ہے۔ بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ جن ممالک میں حرام اشیاء کی تجارت ہوتی ہے وہاں تو خرید وفروخت اور کاروبار کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں اور ٹیکسوں سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن اسلام محض مادی ترقی کا قائل نہیں۔ شراب، سینما گھروں اور کلچرل شو کے انعقاد سے محض چند لوگوں کی آمدنیوں میں تو اضافہ ہو جائے گا، لیکن اس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی نافرمانی ہوتی ہے اور اس کے ذریعے معاشرتی بے راہ روی بھی پھیلتی ہے۔ اس وجہ سے تمام حرام اشیاء کی خرید وفروخت سے متعلق سرگرمیوں اور ان پر محاصل کو ممنوع قرار دیا گیا۔ اسی طرح مالی وسائل کی کمی عالمی اداروں سے ربا (سود) پر مبنی قرضوں اور ملکی سطح پر سود پر مبنی بچت سکیموں کے ذریعے نہیں پوری کی جاسکتی اور نہ ملکی صنعت کاروں، تاجروں، کاشت کاروں اور افراد کو نجی ضروریات کے لیے قرضے سود پر فراہم کیے جاسکتے ہیں۔ کوئی بھی مالی معاملہ، جس میں سود کے ذریعے مال اکٹھا کیا جائے، جائز نہیں ہوگا، کیونکہ شریعت میں سود کو قطعی طور پر حرام قرار دیا گیا ہے۔ اسے نہ چھوڑنے والوں سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے جنگ کا اعلان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ (البقرۃ: ۲۷۸-۲۷۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو، اگر تم سچ مچ ایمان دار ہو۔ اگر تم ایسا نہیں کرتے تو اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ہاں اگر توبہ کر لو تو تمھارا اصل مال تمھارا ہی ہے، نہ تم (کسی پر) ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

یہ درست ہے کہ ملکی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے قرض لیا جاتا ہے، لیکن ایسے قرضے، جن کا خمیازہ عوام کو بھگتنا پڑے، اسلام کی معاشی تعلیمات میں ان کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ سود کی حرمت کی سب سے بڑی حکمت انسانیت کو اس کے استحصال

سے بچانا ہے۔عالمی سطح پر سودی قرضے لینے کی بجائے دیگر ممالک کے ساتھ تجارت کرنا زیادہ بہتر ہے۔

ملکی سطح پر عطایا اور اوقاف وصول کرنے کے علاوہ انھیں دیگر ممالک سے بھی وصول کیا جاسکتا ہے۔اسلامی ریاست بین الاقوامی اداروں یا خیرخواہ ممالک سے مالی امداد بھی قبول کرسکتی ہے۔اسی طرح وہ دوسرے ممالک کے مسلمان یا خیرخواہ غیرمسلم شہریوں کے عطیے بھی قبول کرسکتی ہے۔جب تک اس طرح کی مالی امداد کے نتیجہ میں اسلام اور مسلمانوں کے مصالح کو کوئی نقصان نہیں پہنچے، ایسے عطیے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیوں کہ شریعت میں اس کے خلاف کوئی ہدایت نہیں ملتی۔۱۸؎

۴۔ عدل

اسلام کے نظامِ محاصل کا ایک اہم اصول عدل ہے۔زکوٰۃ کا نصاب متعین کرنے میں بھی یہ اصول کارفرما رہا ہے۔اس کے تحت بہ قدر نصاب مال پر ہی زکوٰۃ عائد کی گئی ہے، اس سے کم پر نہیں۔اس بارے میں ڈاکٹر یوسف القرضاوی لکھتے ہیں:

> ''زکوٰۃ ہر صاحب نصاب مسلمان پر واجب ہے، خواہ اس کا رنگ، نسب، قومیت اور جنس کچھ ہو اور خواہ وہ حاکم ہو یا محکوم۔ثانیاً اسلام نے عدل کے تقاضے کو پورا کرتے ہوئے مال کی قلیل مقدار کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کردیا اور اس مال پر زکوٰۃ فرض کی جو بہ قدر نصاب ہو۔ثالثاً ایک سال میں ایک ہی مال میں دو بار صدقہ وصول کرنے کی ممانعت کی''۔۱۹؎

اسلام کے نظامِ عشر میں بھی اصولِ عدل کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔نبی کریم ﷺ کی تصریح کے مطابق جس زمین کی آب پاشی بارش، چشموں یا ندیوں سے ہو، اس کی پیداوار کا دسواں حصہ لیا جائے گا اور جس کو پانی کھینچ کر یعنی کھود کر آب پاشی کی گئی ہو، اس کی پیداوار سے بیسواں حصہ لیا جائے گا۔۲۰؎ ڈاکٹر یوسف القرضاوی بیان کرتے ہیں:

> ''محنت کے تفاوت کے پیش نظر اسلام نے مقدارِ واجب کی تعیین میں فرق

کیا۔اس کی واضح ترین مثال عشر اور نصفِ عشر کا وجوب ہے۔ وہ زمین جو بہ ذریعہ آلات سیراب ہو، اس پر پانچ (۵) فی صد عشر ہے''۔ ۲۱؎

خراج کی وصولی میں بھی اصولِ عدل کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ مقاسمۂ پیداوار کے لیے خیبر جاتے تھے اور وہاں کی پیداوار کا اندازہ لگاتے تھے۔ جب اہل خیبر ان سے شکایت کرتے کہ آپ نے ظلم کیا ہے تو وہ کہتے: تم اندازے کا نفع ہمیں دو یا تم لو، دونوں میں سے جو مقدار چاہو، ہمیں دو۔ اس پر یہودی کہتے: اس عدل پر آسمان وزمین برقرار ہیں۔ ۲۲؎

یہ اسلام کا عدل ہی ہے کہ زمین سے اس کی پیداوار کے مطابق ٹیکس وصول کیا جاتا ہے۔ یہی معاملہ خراجی زمینوں کے ساتھ بھی ہوگا۔ الکاسانیؒ اس بارے میں لکھتے ہیں کہ ''اگر خراجی زمین سیم زدہ ہو، اس میں اتنا پانی آ گیا ہو کہ اس میں کاشت نہ ہوسکتی ہو یا وہ دلدلی ہو اور اس تک پانی نہ پہنچتا ہو، تو اس میں خراج واجب نہیں۔ اس لیے کہ حقیقی طور پر پیداوار نہ پائی گی''۔ ۲۳؎

اسلام کے نظام جزیہ میں بھی یہ اصول ملحوظ رکھا گیا ہے۔ جزیہ صرف مردوں پر عائد کیا گیا ہے اور ان میں بھی صرف ان لوگوں پر جو صاحبِ استطاعت ہوں۔ اپاہج، مفلس اور غرباء وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ کیے گئے معاہدوں میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر کوئی ذمی بوڑھا، اپاہج یا مفلس ہو جائے گا تو اسے نہ صرف جزیہ کی ادائیگی سے مستثنیٰ کر دیا جائے گا، بلکہ بیت المال سے اس کی کفالت کی جائے گی۔ ابو عبید القاسمؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ایک بوڑھے کے پاس سے گزرے جو بھیک مانگ رہا تھا، آپ نے اس کی تنگ دستی کے پیش نظر بیت المال سے اس کا وظیفہ جاری کر دیا۔ ۲۴؎

اسلامی تعلیمات کی رو سے ظلم و زیادتی کر کے محاصل وصول کرنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''انّ اللہ عزّ و جلّ یعذّب الّذین یعذّبون النّاس في الدّنیا''۲۵؎

(بیشک اللہ عزوجل ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیں گے۔)

خلفاء راشدین نے جزیہ وخراج کی وصولی میں سختی اور ظلم پر عاملوں کی سرزنش کی۔ حضرت عمرؓ شام سے واپس آ رہے تھے تو چند آدمیوں کو دیکھا کہ دھوپ میں کھڑے ہیں اور ان کے سروں پر تیل ڈالا جا رہا ہے۔ انھوں نے اس کی وجہ دریافت کی۔ معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے جزیہ ادا نہیں کیا ہے، اس لیے ان کو یہ سزا دی جا رہی ہے۔ دریافت کیا کہ جزیہ ادا کرنے میں ان کا کیا عذر ہے؟ جواب ملا: مفلسی اور ناداری۔ تب انھوں نے اپنے عاملوں کو تنبیہ کی اور اس صورت میں سزا دینے سے منع فرمایا۔ ۲۶؎

جبیر بن نفیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب کے پاس بہت سا مال آیا تو انھوں نے فرمایا: میں سمجھتا ہوں کہ تم نے لوگوں پر بے جا بوجھ ڈال کر انہیں تباہ کر دیا ہوگا۔ عاملین نے کہا: نہیں اللہ کی قسم، ہم نے سہولت اور خوش دلی کے ساتھ لوگوں سے یہ مال وصول کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: کیا بغیر کوڑے لگائے اور اور بغیر لٹکائے (یعنی بغیر سختی کیے)؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''اللہ کا شکر ہے، جس نے مجھے اور میرے دور حکومت کو رعایا پر مظالم وتشدد سے محفوظ رکھا''۔ ۲۷؎

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ بھی اپنی غیر مسلم اقلیتوں سے جزیہ کی وصولی کے معاملے میں اپنے عمّال پر کڑی نگاہ رکھتے تھے اور انہیں وقتاً فوقتاً ہدایات بھی دیا کرتے تھے، تاکہ وہ جزیہ وخراج کی وصولی میں سختی سے کام نہ لیں اور ان پر معاشی بار نہ ڈالیں۔ حضرت علیؓ نے آذربائیجان کے عامل قیس بن سعد بن عبادہ کو لکھا کہ خراج کو حق کے ساتھ وصول کرو۔ ۲۸؎ حضرت علیؓ نے ایک دفعہ قبیلۂ بنی ثقیف کے ایک شخص کو ایک علاقہ عکبری کی طرف خراج کی وصولی کے لیے روانہ کرنے کا قصد کیا۔ اس موقع پر اس کو خصوصی ہدایت دیتے ہوئے فرمایا: جب تم ان لوگوں میں پہنچو تو ان کے گرمی یا سردی کے لباس، ان کی خوراک اور وہ جانور، جن سے وہ بار برداری کا کام لیتے ہیں، ان کو ہرگز نہ بیچنا، مال کی فراہمی کے سلسلے میں کسی شخص کو دُرے نہ لگانا، طلبِ درہم

کے سلسلے میں کسی شخص کو مسلط نہ کرنا اور خراج کی وصولی کے لیے ان کے کسی سامان کو فروخت نہ کرنا۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ان کی زائد چیزوں میں سے وصول کیا جائے۔ پھر فرمایا کہ اگر تم نے ان ہدایات کی خلاف ورزی کی تو اللہ تعالیٰ تم سے مواخذہ کرے گا اور میں تمھیں عہدے سے معزول کر دوں گا۔ یہ سن کر وہ شخص کہنے لگا: تب تو میں جیسے جا رہا ہوں ویسے ہی لوٹ آؤں گا، یعنی مجھے لگتا ہے کہ کچھ وصول نہ ہوگا۔ انھوں نے فرمایا: ''اگرچہ تو خالی ہاتھ ہی لوٹ آئے، مگر تجھے ان ہدایات پر عمل کرنا ہوگا''۔ چنانچہ عامل نے جا کر ان کی ہدایت پر عمل کیا اور پورا پورا خراج وصول کیا۔ ۲۹؎

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے عبدالحمید کے نام ایک خط میں لکھا کہ ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ اہل کوفہ کو نااہل و بدکردار عاملین کی بدنظمی نیز غلط اور گندے قوانین کی تنفیذ کے باعث ظلم و جور سے گزرنا پڑا ہے، حالاں کہ دین کا سب سے بنیادی اصول عدل و احسان ہے۔ زمین کی پیائش کرو اور اس کی پیداوار کا اندازہ لگاؤ۔ بنجر زمین کا بار آباد زمین پر اور آباد زمین کا بار بنجر زمین پر نہ ڈالو۔ غیر آباد زمین سے اتنا ہی لو جتنے کی وہ متحمل ہو۔ اسی طرح آباد زمین سے صرف مقررہ خراج لو۔ اور یہ سب کچھ نرمی سے اور زمین کے مالکوں کی آبادکاری کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہونا چاہیے۔ ۳۰؎ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے نومسلموں سے جزیہ لینے سے منع فرمایا۔ جب والیٔ مصر حیان بن شریح نے شکایت کی کہ غیر مسلم رعایا تیزی سے اسلام میں داخل ہو رہی ہے، اس سے جزیہ کی آمدنی کم ہو رہی ہے۔ اس پر انھوں نے فرمایا: ''نبی کریم ﷺ کو داعی بنا کر بھیجا گیا ہے، نہ کہ محصول اکٹھا کرنے والا بنا کر''۔ ۳۱؎

اصولِ عدل کا یہ بھی تقاضا ہے کہ غیر ضروری ٹیکس ختم کر دیے جائیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ والی بنائے گئے تو انھوں نے ہر مقام کی چنگی اور ہر نومسلم کا جزیہ منسوخ کر دیا۔ ۳۲؎

۵۔ سہولت

اسلام کے نظامِ محاصل کا ایک اصول سہولت ہے۔ الجزیریؒ لکھتے ہیں کہ

''اصولِ سہولت کے تحت وجوبِ زکوٰۃ کے لیے ایک شرط صاحبِ مال کا آزاد ہونا ہے۔ لہٰذا غلام پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ قرض واجب الادا اس کے ذمہ نہ ہو۔ ۳۳؎ زکوٰۃ اور عشر کے نصاب میں بھی اصولِ سہولت کارفرما ہے۔ اسلام میں نصابِ زکوٰۃ اعتدال پر مبنی ہے۔ اس کے بارے میں شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں کہ ''نہ تو زکوٰۃ کی اتنی کم مقدار عائد کی گئی ہے کہ ادا کرنے کا احساس نہ ہو اور نہ اتنی زیادہ کہ ادا کرنا پہاڑ محسوس ہو۔ اور اس کی ادائیگی کا درمیانی وقفہ نہ اتنا زیادہ رکھا گیا ہے کہ اس کی وجہ سے ادائی زکوٰۃ کے اصل مقصد میں خلل واقع ہو اور نہ اتنا کم کہ ادا کرنا بوجھ محسوس ہو۔ زکوٰۃ دہندہ اور وصول کنندہ کے لیے یہ آسانی کی گئی ہے کہ ہر ایک جنس کی زکوٰۃ اسی کا کچھ حصہ ہو، مثلاً اونٹوں کے گلہ میں سے ایک اونٹنی لی جائے اور گائے بیل یا بھیڑ بکریوں کے ریوڑ سے وہی جنس یعنی گائے یا بکری وصول کی جائے۔ ۳۴؎

اصولِ سہولت کے تحت رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو عمدہ مال لینے سے اجتناب کرنے کا حکم دیا۔ ۳۵؎ حضرت علیؓ نے جزیہ کی وصولی میں سہولت اور نرمی کو مدنظر رکھا۔ عنترہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ ہرکاری گر سے جزیہ لیا کرتے تھے۔ سوئی والے سے سوئیاں لیتے، سان والے سے سان، رسی والے سے رسی۔ حضرت عمرؓ کا طریقۂ کار بھی یہی تھا۔ چنانچہ وہ جزیہ میں اونٹ لے لیا کرتے تھے۔ اسلم کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے پاس بہ کثرت مویشی بہ طور جزیہ کے آتے تھے۔ ۳۶؎

عشر کی وصولی میں بھی سہولت کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشر کھیتی کے نکلنے اور پھلوں کے ظاہر ہونے کے وقت واجب ہوتا ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پکنے کے وقت واجب ہوتا ہے، امام محمدؒ کے نزدیک فصل صاف کرنے اور پھل توڑنے کے وقت واجب ہوتا ہے۔ ۳۷؎ یہی اصول خراج کی وصولی میں بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے سعید بن عامر بن خذیمؓ پر خراج کی رقم بیت المال میں داخل کرنے میں دیر کرنے پر باز پرس کی تو ان نے جواب دیا: فصلیں کٹنے تک اہل ذمہ کو مہلت دی گئی تھی، اس وجہ سے تاخیر ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: جب تک میں زندہ رہا تمھیں اس عہدے سے معزول نہیں

کروں گا۔ ۳۸؎

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں جزیہ کی وصولی کا کوئی منظم طریقہ تھا نہ اس کی مقدار مقرر تھی اور نہ کسی جنس کا تعین کیا گیا تھا۔ البتہ علامہ بلاذریؒ نے جزیہ کی تین نوعیتوں کا ذکر کیا ہے۔ تبوک، ایلہ، اذرح، مقنا اور جرباء کے لوگوں کے جزیہ کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ کبھی ان سے دینار کی صورت میں جزیہ لیا گیا، کبھی زیورات، لکڑیوں اور کھیتیوں پر اور کبھی کھجور کی پیداوار کی ایک چوتھائی مقدار کی ادائیگی کو لازمی قرار دیا گیا۔ ۳۹؎

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو جزیہ کے سلسلے میں ان سے فرمایا:

أن یاخذ من کلّ حالم یعني محتلما، دینارا أوعدله من المعافري ثیاب تکون بالیمن ۴۰؎

ان کے باشندوں سے بہ طور جزیہ ہر بالغ شخص سے ایک دینار وصول کریں یا اس کے برابر اس شخص سے معافری کپڑا لیں، جو یمن میں ہوتا ہے۔

ان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں غیر مسلم اقلیتوں پر جزیہ کی کوئی مقدار مقرر نہیں تھی، بلکہ یہ ان کے حالات اور معاشی وسائل پر منحصر تھا کہ جس قدر جزیہ آسانی سے ادا کر سکیں، ادا کر دیا کریں۔

حضرت عمرؓ نے دولت مندوں پر سالانہ اڑتالیس درہم، متوسط پر سالانہ چوبیس درہم اور غریب پر سالانہ بارہ درہم مقرر کیے اور فرمایا کہ ایک درہم ماہانہ لیا جائے، تاکہ ان میں سے کسی کو بھی ادائیگی میں دشواری نہ ہو۔ ۴۱؎

غیر یقینی حالات میں عوام پر ٹیکس کا بوجھ نہیں ڈالا جاتا تھا۔ عام الرماد (قحط سالی) میں حضرت عمرؓ نے صدقہ (زکوۃ) کو موخر کر دیا۔ ۴۲؎ عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں لوگوں پر ان کی حیثیت کے مطابق ٹیکس عائد کیا گیا۔ کسی شخص پر اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا گیا اور جو لوگ ادا کرنے سے قاصر تھے، ان کو رعایت دی گئی۔

٦۔ امانت و دیانت

محاصل جمع کرنے میں ایک اہم اصول امانت و دیانت ہے۔ عامل کا تنخواہ

کے علاوہ کچھ اور لینا اسلامی شریعت میں ناجائز قرار دیا گیا ہے اور رشوت کے لین دین سے منع کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُواْ بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُواْ فَرِيْقاً مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرۃ:۱۸۸)

اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو۔ نہ حاکموں کو رشوت پہنچا کر کسی کا کچھ مال ظلم وستم سے اپنا کر لیا کرو، حالاں کہ تم جانتے ہو۔

اس آیت میں مال کو حکام رَسی کا ذریعہ بنانے سے روکا گیا ہے۔ اس میں ایک فریق دوسرے فریق کا مال ناجائز طریقے سے ہتھیا لیتا ہے۔ رشوت گناہ، حق تلفی اور غصبِ حقوق کا راستہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعدد فرامین میں عمال کے لیے ہدیہ لینے کو حرام ٹھہرایا ہے۔ آپؐ نے قبیلۂ ازد کے ایک شخص ابن اللّتبیۃ کو صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ جب وہ لوٹ کر آیا تو کہنے لگا کہ یہ مال آپؐ کا ہے اور یہ مال مجھے تحفے میں ملا ہے۔ یہ بات سن کر آپؐ جلال میں آ گئے۔ آپؐ نے منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا، اس میں ارشاد فرمایا:

فوالذي نفس محمد بيده لا يغلّ أحدكم منها شيئًا الا جاء به يوم القيامة يحمله على عنقه، ان كان بعيرًا جاء به له رغاءٌ، و ان كانت بقرة جاء بها لها خوار، وان كانت شاة جاء بها تيعر، فقد بلّغت ۴۳؎

قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے۔ اگر کوئی تم میں سے ایسا مال لے گا تو قیامت کے دن اسے اپنی گردن پر لادکر لائے گا۔ اس طرح حاصل کیا ہوا اگر اونٹ ہوگا تو وہ بڑبڑا رہا ہوگا، گائے ہوگی تو چلا رہی ہوگی، بکری ہوگی تو ممیا رہی ہوگی۔ پھر فرمایا: اے اللہ! میں نے تیرا حکم لوگوں تک پہنچا دیا۔

خیانت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ مشاہرہ کے علاوہ دیگر ہدایا قبول کرنے یا رشوت لینے کی ممانعت پر دلالت کرتا ہے۔ خیانت کے مال کے بارے میں آخرت میں باز پرس کی جائے گی اور یہ عذاب کا موجب بنے گا۔

رشوت کے بارے میں ایک حدیث میں ہے:

لعن رسول اللّٰہ ﷺ الراشي والمرتشي في الحكم ۴۴؎

رسول اللہ ﷺ نے فیصلے میں رشوت لینے اور دینے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

۷۔ کفایت

اسلام کے نظامِ محاصل کی روح کفایت ہے۔ عصر حاضر میں ٹیکس وصول کرنے والے عہدے داروں کو بھاری تن خواہیں اور سہولیات فراہم کی جاتی ہیں۔ اسی طرح ٹیکس کا نظام بھی پیچیدہ ہے۔ مختلف مراحل سے گزرنے کی وجہ سے حکومت کو کثیر اخراجات کرنے پڑتے ہیں، جب کہ اسلام کا نظامِ محاصل اصولِ کفایت سے روشناس کراتا ہے۔ مثلاً زکوٰۃ کے مصارف میں سے ایک مصرف زکوۃ جمع کرنے والوں کے لیے ہے۔ اس طرح عاملین کو زکوۃ فنڈ سے ہی حصّہ مل جاتا ہے اور اس کا بوجھ بیت المال پر نہیں پڑتا۔ ٹیکس وصولی کے اخراجات جتنے کم ہوں گے اتنا ہی ٹیکسوں کے مقاصد زیادہ سہل الحصول ہوں گے۔ ۴۵؎

سرکاری خزانہ کو ٹیکس کی وصولی پر بے جا خرچ کرنا مناسب نہیں۔ ملازمین کو ادا کی جانے والی بھاری تن خواہیں اور دفاتر میں غیر ضروری سہولتوں کی فراہمی پر کیے جانے والے اخراجات اسی زمرہ میں آتے ہیں۔ سرکاری خزانہ عوام کی امانت ہوتا ہے، اس لیے اسے ان کی فلاح و بہبود پر ہی خرچ ہونا چاہیے۔

سرکاری خزانہ کے استعمال میں کفایت شعاری کی ایک روشن مثال حضرت ابوبکر صدیقؓ کا طرزِ عمل ہے۔ انھوں نے بیت المال سے ضروریاتِ زندگی کے مطابق نفقہ لیا اور وفات کے وقت وصیت کی کہ ان کو نئی چادروں میں کفن دینے کے بجائے دھلی ہوئی پرانی چادروں کا کفن دیا جائے، کیوں کہ عوام نئی اشیاء کے زیادہ حق دار ہیں۔ ۴۶؎

حواشی و مراجع

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ، ۱۴۰۰؛ سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ، باب وجوبھا، ۱۵۵۶، ؛سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، باب مانع الزکاۃ، ۲۴۴۵

۲۔ یوسف القرضاوی، فقہ الزکاۃ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت (لبنان)، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱ئ، طبع پنجم، ۲ / ۱۰۰۴

۳۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب اثم مانع الزکاۃ، ۱۴۰۲

۴۔ حوالہ سابق، ۱۴۰۳

۵۔ حوالہ سابق، باب وجوب الزکاۃ، ۱۳۹۶

۶۔ حوالہ سابق، کتاب الادب، باب طیب الکلام، ۶۰۲۳؛ کتاب الرقاق، باب من نوقش الحساب عذب، ۶۵۴۰؛ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الصدقۃ ولو بشق تمرۃ، ۲۳۵۰؛سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، باب القلیل فی الصدقۃ، ۲۵۵۳۔

۷۔ جامع ترمذی، ابواب الایمان، باب ماجاء فی حرمۃ الصلاۃ، ۲۶۱۶

۸۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمرو، أبو الفداء، عماد الدین، تفسیر القرآن العظیم المعروف بہ تفسیر ابن کثیر، دارالسلام، الریاض، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۸ئ، طبع دوم، ۱/۶۳۷؛ وھبۃ الزحیلی، التفسیر الوسیط، دارالفکر المعاصر، بیروت (لبنان)، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ئ، ۱/۳۱۰

۹۔ سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ من غلول، ۲۵۲۵

۱۰۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب وتربیتھا، ۲۳۴۲؛ جامع ترمذی، ابواب الزکاۃ، باب ما جاء فی فضل الصدقۃ، ۶۶۱؛ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ من کسب طیب، ۱۴۱۰

۱۱۔ ابن سعد، محمد بن سعد الزھری، الطبقات الکبری المعروف بہ طبقات ابن سعد، دار بیروت، بیروت (لبنان)، ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۷ئ، ۵/۳۸۰

۱۲۔ ابوعبید، قاسم بن سلام، کتاب الأموال، دارالفکر، قاہرہ (مصر)، س۔ن، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ئ، ص ۵۲

۱۳۔ المرغینانی، علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل، ابوالحسن، الھدایۃ شرح بدایۃ المبتدی، داراحیاء التراث العرابی، بیروت (لبنان)، س۔ن، ۱/۱۰۵

۱۴۔ کتاب الاموال، ص ۵۴

۱۵۔ حوالہ سابق، ص ۵۳

۱۶۔ سنن ابن ماجہ، ابواب التجارت، باب مالا یحل بیعہ، ۲۱۶۷

۱۷۔ مسند احمد بن حنبل، داراحیاء التراث العربی، بیروت (لبنان)، ۱۴/ ۱۵ ۱۴ھ/ ۱۹۹۴، طبع سوم، ۲/ ۱۸۴

۱۸۔ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، اسلام کا نظریۂ ملکیت، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ئ، طبع ششم، ۲/ ۴۵

۱۹۔ فقہ الزکاۃ، ۲/ ۱۰۳۹۔۱۰۴۰

۲۰۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب العشر فیما یسقی من ماء السّماء والماء الجاری، ۱۴۸۳

۲۱۔ فقہ الزکاۃ، ۲/ ۱۰۴۳؛ ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، دارالمعرفۃ، بیروت (لبنان)، س۔ن، ص ۷۰

۲۲۔ الطّبری، محمد بن جریر، ابو جعفر، تاریخ ال اُمم والملوک المعروف بہ تاریخ طبری، دارالکتب العلمیۃ، بیروت (لبنان)، ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۳ء، طبع دوم، ۲/۱۴۰

۲۳۔ الکاسانی، ابوبکر بن مسعود بن احمد، علاؤ الدین (م ۵۸۷ھ)، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، داراحیاء التراث العربی، بیروت (لبنان)، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ئ، ۲/ ۱۷۰

۲۴۔ کتاب الاموال، ص ۴۴؛ کتاب الخراج (امام ابو یوسف)، ص ۱۲۶

۲۵۔ سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والفی، والامارۃ، باب فی التشدید فی جبایۃ الجزیۃ، ۳۰۴۵

۲۶۔ کتاب الخراج (امام ابو یوسف)، ص ۱۲۵

۲۷۔ کتاب الاموال، ص ۴۶

۲۸۔ یعقوبی، محمد بن اسحاق، تاریخ یعقوبی، دارالکتب العلمیۃ، بیروت (لبنان)، ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۲، طبع اول، ۲/ ۱۴۱

۲۹؎ کتاب الخراج (امام ابو یوسف)،ص ۱۵۔۱۶؛ کتاب الاموال،ص ۴۷؛القرشی، یحی بن آدم، کتاب الخراج، دارالمعرفۃ، بیروت (لبنان)،س۔ن، ص ۸۱

۳۰؎ کتاب الاموال،ص ۴۸۔۴۹

۳۱؎ تاریخ الامم والملوک، ۴/۶۴

۳۲؎ الطبقات الکبری، ۵/۳۴۵

۳۳؎ الجزیری، عبدالرحمن بن محمد عوض، (م ۱۳۶۰ئ)، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، داراحیاء التراث العرابی، بیروت (لبنان)،س۔ن، ۱/۵۱۹

۳۴؎ شاہ ولی اللہ، احمد بن عبدالرحیم، حجۃ اللہ البالغۃ، دارالمعرفۃ بیروت (لبنان)، ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ئ طبع دوم، ۲/۷۰۔۷۱

۳۵؎ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب لاتوخذ کرائم أموال النّاس فی الصدقۃ، ۱۴۵۸

۳۶؎ کتاب الاموال،ص ۴۷

۳۷؎ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ۲/۱۸۶

۳۸؎ کتاب الاموال،ص ۴۶

۳۹؎ البلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر، ابوالحسن (م ۲۷۹ھ)، فتوح البلدان، دارالکتب العلمیۃ، بیروت (لبنان)، ۱۴۲۰ھ/ ۲۰۰۰ئ طبع اول،ص ۴۳

۴۰؎ سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والفیٔ والامارۃ، باب فی أخذ الجزیۃ، ۳۰۳۸

۴۱؎ الطبقات الکبری، ۳/ ۲۸۲

۴۲؎ حوالہ سابق، ۳/۳۲۳

۴۳؎ صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب کیف کانت یمین النبی ﷺ، ۶۶۳۶

۴۴؎ جامع ترمذی، کتاب الاحکام، باب ماجاء فی الراشی والمرتشی فی الحکم، ۱۳۳۶

۴۵؎ نورمحمد غفاری، اسلام کا قانون محاصل، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، س۔ن، ص ۱۵۷

۴۶؎ الطبقات الکبری، ۳/۱۹۷

***

مغربی اور اسلامی تہذیبوں میں عورت کا مقام

[مریم جمیلہ کے افکار کا مطالعہ]

محترمہ نجم السحر

مریم جمیلہ، عالم اسلام کی وہ تاب ناک شخصیت ہیں جن کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے ایمان تازہ ہوجاتا ہے اور دل ان کے احترام میں قصیدے پڑھنے لگتا ہے۔ انھوں نے اسلام کے لیے جس قربانی کا مظاہرہ کیا ہے اس کی مثال کم ہی ملتی ہے۔

مریم جمیلہ کی زندگی کے دو مرحلے ہیں: ابتدائی زندگی انھوں نے امریکہ میں گزاری اور بقیہ زندگی پاکستان میں۔ وہ ۲۳ رمئی ۱۹۳۴ء میں امریکہ کے شہر نیویارک میں آباد جرمنی سے تعلق رکھنے والے ایک یہودی خاندان میں پیدا ہوئیں۔ والدین نے پیدائشی نام مارگریٹ مارکس رکھا۔ بچپن ہی سے وہ عام امریکی بچوں سے جدا تھیں۔ یہودی خاندان میں پیدا ہونے کے باوجود ان کو یہودیت نے ذرا بھی متاثر نہیں کیا۔ وہ اپنی زندگی کے ابتدائی زمانے سے ہی یہودیت سے متعلق اشکالات کا اظہار کرتیں، پھر جیسے جیسے وہ بڑی ہوتی گئیں ان کو یہودیت سے نفرت ہوتی گئی۔

مریم جمیلہ بہت حساس خاتون تھیں۔ بچپن ہی میں انھوں نے اپنے گرد و پیش کی چیزوں کا گہرا اثر لیا۔ چوں کہ دوسری جنگ عظیم کا آغاز ان کے بچپن میں ہی ہو گیا تھا، اس وقت بھی اتنی کم عمری کے باوجود وہ جنگ کے تمام حالات سے باخبر رہتی تھیں۔ جب جنگ کی تصویریں دیکھتی تھیں تو بہت زیادہ غم زدہ ہوجایا کرتی تھیں۔ ان کے اندر ہمدردی کے جذبات بچپن سے ہی موج زن تھے۔ جب وہ اسکول میں تعلیم حاصل کر رہی

تھیں تب ان کی کلاس میں ایک لڑکی بہت غریب تھی۔ اس کی یونیفارم بہت پرانی تھی۔ مریم جمیلہ اس غریب لڑکی کو دیکھ کر بہت غم زدہ ہو جایا کرتیں۔ جب اس کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو وہ اپنا کھانا اس کو کھلا دیا کرتی تھیں۔ ۱؎ ایک مرتبہ مریم نے ریڈیو پر عربی موسیقی سنی، جو انھیں بہت اچھی لگی۔ وہ اپنے والد کے ساتھ عربی موسیقی کی کیسٹ خریدنے بازار گئیں۔ اسی وقت ان کی نظر ام کلثوم کی قراءتِ قرآن کریم کی کیسٹ پر پڑی۔ اسے انھوں نے خرید لیا۔ جب گھر لاکر انھوں نے قراءت سنی تو وہ ان کے دل کو چھو گئی اور مغربی موسیقی میں ان کی دل چسپی ایک دم ختم ہو گئی۔ ۲؎

جب انھوں نے قرآن کریم کا مطالعہ کیا تو ان کو اس سے اتنی دل چسپی ہو گئی کہ وہ ان کا ساتھی بن گیا۔ وہ دن رات اس کا مطالعہ کرتیں۔ قرآن کریم کے مطالعے سے پہلے ان کا حال ایسا تھا جیسے ان کی زندگی ختم ہو چکی ہو۔ وہ بالکل حوصلہ شکن، خستہ حال، افسردہ اور مایوس رہتی تھیں، معاشرے میں اپنا مقام تلاش کر کے تھک چکی تھیں اور ان کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے سمندر میں بہہ رہی ہوں اور ان کو کنارہ نہ مل رہا ہو۔ ان کی کشتی بھنور میں پھنسی ہوئی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کریں اور کہاں جائیں؟ یہودیت اور بہائیت کسی سے بھی ان کو تسلی نہیں ہوئی۔ اس کش مکش میں پکتھال کے ترجمۂ قرآن نے انھیں بچا لیا اور آخر کار قرآن کریم پڑھ کر ان کو اپنی اصل پہچان حاصل ہو گئی۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے ان کو سمجھ آ گیا کہ یہی سچا مذہب ہے اور یہ واحد مذہب ہے، جو مکمل راہ ہدایت ہے۔ ۳؎

مریم جمیلہ نے تہیہ کیا کہ ان کی زندگی کا مقصد اسلام کے خلاف اٹھنے والے مغرب کے اشکالات کو دور کرنا اور اسلام پر لگائے جانے والے الزامات کو غلط ثابت کرنا ہوگا۔ انھوں نے اپنی زندگی اسلام کے بارے میں مضامین اور کتابیں لکھنے کے لیے وقف کر دی۔ انھوں نے ان مسلمانوں کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا جو جدید خیالات کے حامل تھے۔ ان شخصیتوں میں، جن کو مریم جمیلہ نے اپنی تنقید کا نشانہ بنایا، سرسید احمد خان، شیخ محمد عبدہٗ اور سید امیر علی وغیرہ شامل ہیں۔ انھوں نے دین کو گہرائی سے سمجھنے کے لیے اس

دور کے بڑے بڑے علماء کو خطوط بھیجے، لیکن سب سے زیادہ وہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے جوابات سے متاثر ہوئیں، جو جماعت اسلامی پاکستان کے امیر تھے۔ مولانا نے نہ صرف ان کے خیالات سے اتفاق کیا، بلکہ ان کے حالات کو سمجھتے ہوئے ان کو پاکستان آکر رہنے کی دعوت بھی دی۔ مولانا نے ان سے اسلام قبول کرنے کو نہیں کہا، کیوں کہ وہ سمجھ گئے تھے کہ مریم پہلے ہی سے اسلام کے رنگ میں رنگ چکی ہیں۔ مولانا مودودیؒ نے ان سے صرف اتنا کہا کہ وہ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کردیں۔ ۵/دسمبر ۱۹۶۰ء سے ۱۸/اپریل ۱۹۶۲ء تک مریم جمیلہ نے گیارہ خط مولانا مودودیؒ کو لکھے اور مولانا نے تمام خطوط کے جواب دیئے۔ ۴؎

آخر کار وہ ۳۰/جون ۱۹۶۲ء کو اپنی منزل مقصود کراچی پہنچ گئیں۔ انھیں لاہور میں مولانا مودودی کے گھر تک پہنچایا گیا۔ نئے ماحول میں ان کو کچھ دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ سب سے بڑا مسئلہ زبان کا تھا اور پاکستان کی گرم آب و ہوا، کھانا پینا اور رہن سہن بھی امریکی زندگی سے بالکل مختلف تھا، لیکن اس کے باوجود ان کا کہنا تھا کہ ''نیویارک کی بہ نسبت میں یہاں بہت بہتر ہوں''۔ کچھ دنوں میں انھوں نے نئے ماحول سے مطابقت پیدا کرلی۔ مولانا مودودی مریم جمیلہ سے اپنی بیٹی کی طرح محبت کرتے تھے ۵؎ مریم نے پاکستان سے اپنے والدین کو متعدد خطوط لکھے، جن میں اپنے حالات تفصیل سے بیان کیے۔ ایک خط میں لکھا:

> ''میں امریکہ کے معاشرے میں بالکل تنہا محسوس کر رہی تھی اور اسلام قبول کر لینا ہی میری پریشانیوں کا خاتمہ نہیں تھا۔ جب میں نے پاکستان آنے کا ارادہ کرلیا تب میری زندگی کو ایک مقصد مل گیا اور پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ بچپن سے جوانی تک کس طرح میں اس دنیا میں تنہا، ناخوش، مایوس اور بنا کسی دوست کے پھنسی ہوئی تھی، تبھی مولانا مودودیؒ نے میرے لیے ایک دروازہ کھول دیا اور انھوں نے اس بات کا احساس دلوایا کہ اگر میں مزید امریکہ میں قیام کروں گی تو پریشان کن

حالات سے مجھے گزرنا پڑ سکتا ہے۔ اس لیے میں مولانا کی بہت شکر گذار ہوں ۔اب میں نے اپنی پہچان کو پالیا“ ۔۶؎

۸/اگست ۱۹۶۳ء کو مریم جمیلہ کا نکاح یوسف خان سے ہوگیا، جو اس وقت جماعت اسلامی کے ایک سرگرم رکن تھے۔ انھوں نے اسلام کے لیے نہ صرف اپنے والدین کو چھوڑا، بلکہ اپنا وطن، اپنی زبان، اپنا ملک، اپنا سب کچھ چھوڑ دیا اور ایک ایسی جگہ آکر بس گئیں جہاں نہ ان کا کوئی اپنا تھا، نہ وہاں کی زبان سے واقف تھیں، لیکن پھر بھی بنا کسی پس وپیش کے انھوں نے صرف اللہ کے بھروسے پر یہ قدم اٹھالیا۔ اس اجنبی ملک میں ان کو اتنی اپنائیت محسوس ہوئی کہ یہیں کی ہو کر رہ گئیں۔ انھوں نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ برابر جاری رکھا اور اپنی عمر کے آخری حصے تک قلم اٹھائے رکھا۔ انھوں نے اپنی تصانیف میں اسلام کے بارے میں مستشرقین اور مغربی فکرونظر سے مرعوب مسلمان دانش وروں کے مغالطوں اور اسلام کے بارے میں غلط تعبیرات کی تصحیح کو اپنی علمی تحقیق کا مرکز بنایا۔ انھوں نے مغربی علوم کی ناپائیداری اور اس کی کھوکھلی شان و شوکت کو نہایت ٹھوس علمی وعملی شواہد اور دلائل کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ مغربی تہذیب وثقافت جن عقائد ونظریات پر مبنی ہے، مریم نے اس کا ابطال بھی مغربی احوال اور تاریخی حقائق سے کیا ہے۔ مغربی معاشرے میں پیدا ہونے اور پرورش پانے کی وجہ سے انھیں مغربی تہذیب کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا اور انھوں نے مغربی لا دینی نظریات کا براہ راست مشاہدہ کیا۔ اس بنا پر ان کی مغرب پرز وردار تنقید اپنے اندر ایسے حقائق رکھتی ہے جنہیں آسانی سے رد نہیں کیا جا سکتا۔ مغرب کے مادہ پرستانہ نظریات کے علم برداروں کی علمی بنیادوں کو منہدم کرنے میں مریم جمیلہ نے نہایت قابل قدر تنقیدی لٹریچر فراہم کیا ہے۔ انھوں نے استعماری طاقتوں کے انسانیت کش اصولوں اور معاشی استحصال کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا کہ مغربی نظام حیات اور حکم رانی کے ضابطے بنی نوع انسان کو امن وسکون فراہم نہیں کر سکتے۔ انھوں نے چونتیس (۳۴) کتابیں لکھی ہیں۔ ہر کتاب میں ان حالات کا عکس نظر آتا ہے جو امریکہ میں انھوں نے محسوس کیے۔

مریم جمیلہ ۳۱/اکتوبر ۲۰۱۲ء کو دار فانی سے رخصت ہو گئیں۔ ان کی وصیت کے مطابق ان کو ان کے شوہر کی پہلی بیوی شفیقہ کے برابر میں دفن کیا گیا۔ ۷؎ لیکن انھوں نے اپنے پیچھے کتابوں کا جو بیش بہا سرمایہ چھوڑا ہے وہ انسانوں کی رہ نمائی کا اہم کام انجام دیتا رہے گا۔

مریم جمیلہ چوں کہ مغرب میں پلی بڑھی تھیں، اس لیے وہ مغربی تہذیب کی گندگیوں سے اچھی طرح واقف تھیں۔ اسی وجہ سے وہ ان لوگوں کے سخت خلاف تھیں جو اسلام میں عورت کے مقام کو کم تر اور مغرب میں عورت کی حیثیت کو برتر مانتے ہیں۔ ان کا اس بات پر پختہ یقین تھا کہ اسلام میں عورت کا جو مقام ہے وہ کسی بھی حیثیت سے کم تر نہیں ہے، بلکہ ہر لحاظ سے وہ مکمل اور با عزت ہے۔ انھوں نے ایسے لوگوں کے خیالات پر ردعمل کا اظہار کیا ہے جو مساواتِ مرد و زن کا نعرہ لگاتے ہیں اور اسلام میں عورت کے حال پر ترس کھا کر یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اسلام نے عورت کو بالکل قیدی بنا کر رکھا ہے۔ خاص طور سے انھوں نے ان عنوانات کو اپنا موضوعِ بحث بنایا جن پر اکثر دشمنانِ اسلام تنقید کرتے ہیں، جیسے نکاح میں ولایت، تعدد ازدواج، طلاق اور پردہ وغیرہ۔

مریم جمیلہ نے مصری دانش ور قاسم امین پر سخت تنقید کی ہے۔ قاسم امین پہلا مسلمان ہے جس نے مسلمان عورتوں کو مغربی طرز کی آزادی دلانے کی بات اٹھائی۔ مریم جمیلہ نے اپنی تحریروں میں قاسم امین پر سخت ملامت کی ہے کہ اس نے مغرب سے آنے والی عیسائی مشنری کو بنا سوچے سمجھے قبول کر لیا اور اس کی حمایت کی، جب کہ مسلم عورتوں کی حالت اپنے گھروں میں بہت بہتر تھی اور پردہ، جس پر قاسم امین نے ضرب لگائی، وہ مسلمان عورت خود اپنے لیے بہتر سمجھ کر کرتی تھی۔ مریم جمیلہ نے اپنی تحریروں کے ذریعہ اس سچ کو سامنے لانے کی پوری کوشش کی ہے کہ مساواتِ نسواں کی جتنی بھی تحریکیں ہیں وہ اسلام اور مسلم سماج کا شیرازہ بکھیرنے کے لیے وجود میں آئی ہیں۔ مسلمان عورتوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے اور مغربی تہذیب کے بہاؤ میں نہیں بہہ جانا چاہیے، بلکہ اسلامی تعلیمات پر قدم جمائے رکھنا چاہیے۔ ۸؎

مریم جمیلہ کے مطابق مساوات مرد و زن کی تحریک موجودہ دور کی ایک مصنوعی پیداوار ہے، جو ہر طرح کے قدرتی اور روحانی اصولوں کا رد کرتی ہے۔ کوئی بھی تاریخ یا انسانیات (Humanilies) کا طالب علم تحریکِ نسواں کی مصنوعیت کو ثابت کر سکتا ہے۔ کیوں کہ تاریخ گواہ ہے کہ مرد اور عورت کے کام الگ ہیں اور ان دونو ں میں فرق ہے۔ وہ اس بات کی پوری تائید کرتی ہیں کہ روایتی خاندان سماج کی مضبوطی کی ضمانت ہوتے ہیں۔

مریم جمیلہ نے تحریکِ نسواں کے حامیوں کو بہت ہی اچھے انداز میں سمجھایا ہے:

> ''اسلامی نقطۂ نظر سے مردوں اور عورتوں کی مساوات بے معنی ہے۔ یہ کہنا ایسے ہی ہے جیسے گلاب اور چمیلی میں برابری کرنا۔ ہر ایک کی الگ خوشبو، رنگ، شکل اور خوب صورتی ہے۔ مرد اور عورت ایک جیسے نہیں ہیں۔ ہر ایک کی امتیازی صورت اور خصوصیات ہیں۔ عورت مرد کے برابر نہیں ہے اور مرد عورت کے برابر نہیں ہے۔ اسلام دونوں کو معاشرے میں مقابلہ جاتی مقام نہیں، بلکہ اعزازی مقام دیتا ہے۔ ہر ایک کی اس کی فطرت کے مطابق خاص ذمہ داریاں اور کام ہیں''۔ ۹؎

مریم جمیلہ نے اس بات کا بھی جائزہ لیا ہے کہ مردوں اور عورتوں کی مساوات کی تحریک کا اثر مسلم ممالک پر کس طرح ہوا ہے، جس کے نتیجے میں مایوسی ہاتھ آئی ہے، کیوں کہ اس تحریک کی وجہ سے مسلمان ملکوں سے پردہ کم ہو گیا، مسلم عورتوں نے اپنے روایتی کردار کے خلاف بغاوت شروع کر دی اور اپنی زندگی مغربی عورتوں جیسی گزارنے کی کوشش میں لگ گئیں۔ جیسا کہ Raphael Patai نے اپنی کتاب Women in the Modern World میں لکھا ہے:

> ''تہران کے زیادہ فیشن یافتہ طبقے میں عورتیں گھر کے کاموں میں کم اور معاشرتی، پیشہ ورانہ، تفریحی اور خیراتی کاموں میں زیادہ وقت گزارتی ہیں۔ کپڑے ڈیزائن کرنے والوں اور بال بنانے والوں کے پاس جاتی ہیں، صبح کی کافی (یعنی ناشتہ) اور دوپہر کا کھانا دوستوں کے ساتھ کرتی ہیں۔

خریداری کرنا اور پارٹیوں میں جانا ان عورتوں کا روز مرہ کا مشغلہ بن گیا ہے۔ اس کے علاوہ بڑے بڑے ہوٹلوں میں کھانا کھانے، چھٹیاں منانے اور کھیل کود میں مصروف رہتی ہیں ۔ان میں سے زیادہ تر عورتیں تہذیبی پروگراموں اور خیراتی کاموں میں بھی کافی دل چسپی لیتی ہیں۔۱۰؎

''لبنان کے بہت سے شہروں میں عورتیں زیادہ تر گھروں سے باہر نظر آتی ہیں۔ اتوار کے دن بیروت کے ساحلوں پر جتنی تعداد مردوں کی ہوتی ہے اتنی ہی عورتوں کی بھی ہوتی ہے، اور ان میں زیادہ تر نوجوان طبقہ ہی ہوتا ہے۔ ساحلوں پر جانے کا یہ رواج بے شک زوال کی نشانی ہے۔ لبنان میں مغربی طرز کے کپڑوں کا چلن اس مقام تک پہنچ چکا ہے جہاں مغربی عورتوں کا متوسط اور اعلیٰ طبقہ پہنچا ہوا ہے۔ یہاں پر تھوڑی سی روک ہے ان لڑکیوں کے لیے جو اشتعال انگیز کپڑے پہننا چاہتی ہیں۔''

''جاڑوں کے کپڑوں کے علاوہ گرمیوں میں یونی ورسٹی کی لڑکیاں ریشمی چست کپڑے، اسکرٹ اور جسم جھلکنے والے کپڑے پہنتی ہیں۔ اونچی ایڑی کی چپلیں اور لمبی جرابیں پہنتی اور ساتھ میں میک اپ بھی کرتی ہیں۔ کچھ مسلم لڑکیاں (جو یونی وسٹی میں نہیں پڑھتیں) اتنے ہلکے نقاب لگاتی ہیں کہ ان کا چہرہ دکھائی دیتا ہے۔''۱۱؎

مریم جمیلہ نے مغرب کے اس الزام پر کہ اسلام میں عورت خود اپنی پسند سے شوہر نہیں چن سکتی، اس طرح گرفت کی ہے کہ اسلام کی نظر میں عورت کو اپنے لیے خود شوہر ڈھونڈنے کی ضرورت اس لیے نہیں ہے کیوں کہ اسلام اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ عورت ہزاروں لوگوں کو اپنی خوب صورتی دکھا کر اپنے لیے مستقبل کا ساتھی چننے۔ اسلام نے عورت کو اس خوف ناک پریشانی سے آزاد کر دیا ہے اور اس کی فطرت کے مطابق اس کو تاکید کی ہے کہ وہ گھر میں بیٹھے اور اس بات کا انتظار کرے کہ اس کے والد یا سرپرست اس کے لیے مناسب رشتہ تلاش کر لیں۔ چوں کہ والد یا سرپرست لڑکی سے

زیادہ تجربہ کار ہوتا ہے، اس لیے امید ہے کہ جس انسان کو وہ لڑکی کے شوہر کی حیثیت سے منتخب کرے گا وہ اس کے لیے بہتر ثابت ہوگا۔ چوں کہ لڑکی والد کے مقابلے میں کم تجربہ رکھتی ہے، اس لیے اسلام نے نکاح میں والد کو ولایتِ نکاح کا حق دیا ہے۔ یہ نکاح چوں کہ دونوں کے گھر والوں کی رضامندی سے ہوگا اس لیے زیادہ پائیدار ثابت ہوگا اور طلاق واقع ہونے کے مواقع کم ہوں گے، ان شادیوں کے مقابلے میں جو وقتی جذبات کی بنیادوں پر ہوتی ہیں اور اکثر دائمی رشتے میں تبدیل نہیں ہو پاتیں۔ ۱۲؎

اسلام پر اعتراض کرنے والوں نے تعدد ازدواج کو بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ مریم جمیلہ نے اس اعتراض پر اپنا قلم اٹھایا اور تعدد ازدواج کی حمایت کرتے ہوئے دلیل کے طور پر انور علی خان کا یہ قول نقل کیا ہے:

> ''تعددِ ازدواج ضروری ہے، نہ صرف بدکرداری اور مردوں کے آزاد جنسی میلان کی روک تھام کی خاطر، بلکہ بڑی حد تک اس لیے بھی کہ معصوم عورتیں موذی اشخاص کے حوالے نہ ہونے پائیں۔ کیا کسی عورت کے لیے یہ بہتر نہیں ہے کہ کوئی دوسری عورت اس کی سوکن بن کر اس کے شوہر کی محبت میں شریک ہو، تاہم وہ خود بھی اپنے گھر میں بہ حفاظت تمام زندگی بسر کرے اور اس کے بچوں کو بھی باپ کا پیار حاصل رہے، یا یہ بہتر ہے کہ اس کا شوہر دوسری عورت سے چوری چھپے ناجائز تعلقات قائم کرنے پر اس لیے مجبور ہو جائے کہ ملک کا قانون اسے اس آدمی کی جائز بیوی بننے سے روکتا ہے، الّا یہ کہ وہ اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دے اور بچوں سمیت اپنے گھر سے نکال دے''۔ ۱۳؎

مریم جمیلہ نے تعدد ازدواج کے حق میں نہ صرف قولی شہادت دی، بلکہ اسے عملی طور پر بھی کر کے دکھا دیا۔ چنانچہ انھوں نے ایک ایسے شخص سے نکاح کیا جن کی پہلے سے بیوی اور بچے موجود تھے۔ ساری زندگی اپنی سوکن کے ساتھ گزار کر ایک مثال قائم کر دی۔

مساواتِ مرد و زن کا نعرہ لگانے والوں نے اسلام میں 'مرد کی قوامیت' پر تنقید

کی ہے،لیکن مریم جمیلہ اس کی حمایت کرتی ہیں۔قرآن کریم میں ہے:

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ (النسائ: ۳۴)

مرد عورتوں کے نگراں و محافظ ہیں ،اس بنا پر کہ اللہ نے اول الذکر کو موخر الذکر پر فضیلت دی ہے اور وہ عورتوں پر اپنا مال و دولت صرف کرتے ہیں۔

اس آیت کی روشنی میں مریم جمیلہ کہتی ہیں کہ عورت روزی کمانے کی پابند نہیں ہے، الّا یہ کہ وہ بیوہ یا مطلقہ ہو، اس کی کوئی جائیداد نہ ہو اور نہ کوئی اس کا ایسا مرد رشتہ دار ہو جو اس کی ضروریات بہم پہنچا سکے۔ عام حالات میں قرآن کریم یہ تعلیم دیتا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کا آقا بھی ہے اور مونس وغم خوار رفیقِ حیات بھی۔اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ عدل وانصاف، محبت اور لطف وعنایت سے پیش آئے۔ دوسری جانب عورت کا فرض ہے کہ وہ اپنے شوہر کی وفادار اور اطاعت شعار ہو اور اس کے اعتماد پر پوری اترے۔ مریم جمیلہ کہتی ہیں کہ قرآن کریم مرد کو عورت پر کسی حد تک فوقیت ضرور عطا کرتا ہے۔

اسی طرح طلاق کے بارے میں وہ کہتی ہیں:

''اسلام نے طلاق کا حق اس لیے دیا ہے کہ اگر مرد اور عورت میں ناچاقی اور سخت بیزاری پیدا ہوگئی ہو تو شائستگی اور باوقار طریقے سے وہ علٰیحدگی اختیار کرلیں۔ وہ کہتی ہیں کہ جب میاں بیوی ایک دوسرے کی رفاقت سے تنگ آچکے ہوں اور باہمی اختلاف کی وجہ سے ان کی زندگی عذاب بن گئی ہو تو انھیں امن وامان کے ساتھ ایک دوسرے سے الگ ہو جانا چاہیے۔ جب کہ اس کے برعکس ہمارے متجددین ومصلحین اس بات پر مُصِر ہیں کہ میاں بیوی کے مزاج میں چاہے کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو، انھیں ازدواجی بندھن میں بندھے رہنے پر قانوناً مجبور کرنا چاہیے۔ دنیا کا کوئی قانون کسی مرد اور عورت کو آپس میں محبت کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا، اس لیے جب انھیں ایک دوسرے سے تسکین اور مسرت نہیں ملے گی تو وہ اسے کسی اور جگہ ڈھونڈنے پر مجبور

ہوجائیں گے۔ ایسے جوڑے کے سامنے نجات کا صرف ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے کہ وہ عدالت کے دروازے پر دستک دیں اور کذب ودروغ گوئی، تہمت تراشی اور افترا پردازی کے ذریعے ایک دوسرے سے چھٹکارا حاصل کریں۔ گویا انھیں باقاعدہ اپنی رسوائی کا سامان کرنا ہوگا، جس کا نتیجہ مرد اور عورت دونوں کی اخلاقی تباہی کی صورت میں نکلے گا۔ کسی معقول سبب کے بغیر طلاق کوئی بدکردار مرد ہی دے سکتا ہے۔ طلاق ملنے کے بعد عورت دوسرا نکاح کرنے اور آسودہ زندگی کا ازسرنو آغاز کرنے کے لیے آزاد ہوجاتی ہے۔ لیکن موجودہ تجدد پسند مصلحین ایک ایسا قانون بنانے کی تگ و دو میں مصروف ہیں جو عورت کو اس مرد کے چنگل میں ہمیشہ گرفتار رکھے اور وہ تا دم آخر بدسلوکی کا شکار ہوتی رہے''۔ ۱۴؎

مریم جمیلہ نے مردوں اور عورتوں کے اختلاط پر بھی کاری ضرب لگاتے ہوئے ان لوگوں پر سخت تنقید کی ہے جو لڑکوں اور لڑکیوں کی مخلوط تعلیم کی حمایت کرتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ مردوں اور عورتوں کا اختلاط بہت سے معاشرتی مفاسد کا ذمہ دار ہے۔ انھوں نے اس بات کی طرف بھی توجہ دلوائی ہے کہ مخلوط درس گاہوں میں تعلیم حاصل کرنے والی لڑکیاں ازدواجی زندگی اور ماں کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی تربیت شاذ و نادر ہی پاتی ہیں۔ اس لیے ان کے نزدیک قرآن کریم کی ان آیات پر عمل کرنے میں ہی عافیت ہے، جن میں نامحرم مردوں سے غیر ضروری گفتگو کرنے سے منع کیا گیا ہے، ان سے اختلاط سے روکا گیا ہے اور جسم کے قابل شرحصوں کو چھپانے کا حکم دیا گیا ہے:

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (الاحزاب:۳۲)	نرم گفتگو نہ کرو، کہ جس کے دل میں (گناہ کی) بیماری ہو وہ لالچ کرنے لگے اور سیدھی سادی بات کرو۔

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعاً فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ (الاحزاب: ۵۳)

اور جب تم ان (امہات المومنین) سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔

يَآ أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاء الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ (الاحزاب: ۵۹)

اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے اوپر لٹکا لیا کریں۔

اسی لیے مریم جمیلہ نے عورتوں کے گھر کے اندر رہنے ہی کو بہتر سمجھا ہے اور اس بات کی یاددہانی کرائی ہے کہ معاش کی ذمہ داری شوہر یا گھر کے مرد سرپرست کی ہے۔

مریم جمیلہ نے نہ صرف عورتوں کو شریعت کے اصولوں پر عمل کرنے کی ترغیب دی، بلکہ خود بھی ان پر عمل کر کے دکھایا۔ چنانچہ انھوں نے قرآن کریم کی اس تعلیم پر عمل کرتے ہوئے کبھی معاش کی فکر نہیں کی، کیوں کہ ان کے شوہر ان کے لیے ذریعۂ زندگی مہیا کرنے کے لیے موجود تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے اپنی ساری توجہ کتابیں تصنیف کرنے میں صرف کی، جس کی وجہ سے دنیا کو بیش قیمتی علمی وفکری سرمایہ مل گیا۔

مریم جمیلہ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ عورت تبھی صحیح معنوں میں بہتر ہوگی جب وہ ایک اچھی ماں اور اچھی بیوی بن کر رہے۔ اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کو قرآن وسنت کی تعلیم دے۔ ایک ماں اپنے بچوں کے لیے اعلیٰ نمونہ بن کر ان کی زندگی پر اثر انداز ہوسکتی ہے۔ مریم جمیلہ نے اس بات پر زور دیا کہ ماں اپنے بچوں کو بچپن سے ہی اسلامی آداب سکھائے اور اس کی پرورش اسلامی نہج پر کرے۔ یہی چیز عورت کی کامیابی کی ضامن ہے اور یہی اس کی ذمہ داری بھی ہے۔ ۱۵؎

مریم جمیلہ نے اپنی تحریروں کے ذریعہ ان تمام اعتراضات واشکالات کو دور کر دیا جو عورتوں کے مقام کی آڑ میں اسلام کے خلاف پیش کیے جاتے تھے۔ انھوں نے خود اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ اسلام عورت کو دبا کر نہیں رکھتا، بلکہ اسے اس بات کی آزادی دیتا ہے کہ وہ سکون وعافیت کے ساتھ زندگی گزارے۔ اسلام نے مرد کو عورت کا

نگہبان بنا دیا، تاکہ اسے کسی قسم کا ڈر نہ رہے اور وہ کبھی خود کو کم زور محسوس نہ کرے۔ مریم جمیلہ نے اسلامی تعلیمات کو جس طرح سمجھا اسی طرح انھیں اپنی زندگی میں شامل کیا اور تمام عورتوں کو بھی ان پر گام زن رہنے کی تلقین کی۔

حواشی و مراجع

1- Maryam Jameela, Quest for the Truth:Memories of the Childhood and youth in America (1945-1962), Afaqi Book Depot, Delhi-6, p.19

2- Maryam Jameela, Why I Embraced Islam. Taj Company Delhi, 1982, p.3

3- Maryam Jameela, Why I Embraced Islam. p.3

۴۔ مریم جمیلہ اور مولانا مودودی کی مراسلت، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی۔ ۲۵، ۲۰۱۰، ص: ۴-۳

5- http://beta.jasarat.com/magazine/jasaratmagazine/news/36424-10-2-2013

6- The Convert: A tale of Exile and Extremism. penguin viking, Dipura Bader, p.18

7- http://beta.jasarat.com/magazine/fri/news/14016-10-2-2013

8- Islam and Muslim Woman Today, p.29

9- Islam and Muslim Woman Today, p.41

10- Women in the Modern World, p.77

11- Women in the Modern World, pp.122-123,

12- Islam and Muslim Woman Today, p.42

13- Islam and Muslim Woman Today, p.28

۱۴۔ اسلام ایک نظریہ ایک تحریک، ص: ۱۲۶

15- Islam and Muslim Woman Today, pp.10-11

☆☆☆

کلامِ اقبال میں تصورِ معیشت

ڈاکٹر علی محمد

معاشیات کا علم مادی ضروریات اور ان کی تکمیل کے ہر پہلو کو اُجاگر کرتا ہے۔ معاشیات نے دورِ حاضر میں انسان کے ہر پہلو کو متاثر کیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ زندگی کا حقیقی مقصد ہی معاشیات میں مضمر ہے۔ اسلامی سماج میں معیشت اگرچہ بذاتِ خود مقصد نہیں ہے، مگر مقصد تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ اسلامی سماج کے اہداف میں سے ایک ہدف ہے، جو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ عصرِ حاضر میں معیشت ہی ایسا محور قرار پایا ہے جس کے اِردگرد انفرادی اور اجتماعی زندگی گردش کرتی ہے۔ پندرہویں صدی عیسوی کے وسط کی عام بیداری کے بعد رونما ہونے والے صنعتی انقلاب نے ساری معنوی و اخلاقی قدروں کو یکسر بدل کر رکھ دیا ہے۔ لوگوں نے نئی نئی اقتصادی قدریں ڈھونڈھ نکالی ہیں۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ مسیحیت کے علم برداروں نے مذہبی قدروں کو من مانے طرز پر اپنانے کی ٹھان لی۔ مسیحیت حکم راں اور مال دار طبقوں کی آلۂ کار بن گئی۔ سیاسی حالات میں اپنے آپ کو ڈھالنے کے لیے انھوں نے کم زوروں کو طاقت وروں اور غریبوں کو امیروں کا غلام بنانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ اس طرح وہ دنیاوی آسائش سمیٹنے کے کام میں جُٹ گئے۔[۱] ایسے حالات نے لوگوں کے اندر مذہب کے خلاف نفرت پیدا کی اور ردِعمل کے طور پر فکری انقلاب رؤنما ہوا۔ ان نئے افکار و خیالات سے وہ دینی عقائد اور تصورات کے خلاف بغاوت کا درس دینے لگے۔ اس معاملے میں کارل مارکس، الفرڈ مارشل، سیلوہ جیزیل اور جوزف شوبینر کے علاوہ اور بھی یورپی آزاد خیال دانش ور ہم آواز ہوئے۔ اُن کا کہنا ہے کہ

دولت کا اطلاق ان تمام چیزوں پر ہوتا ہے جو کسی معاشی منفعت کے حصول کا ذریعہ بنیں اور معاشی فائدے کی تعریف یہ قرار پائی کہ انسانی خواہش اور دِلی تسکین جن چیزوں سے پوری ہوجائے اور جن کی مادی حیثیت سے کوئی فائدہ ہو، وہی پاک اور حلال چیزیں ہیں ۲۔ مثال کے طور پر شراب اُن کے درمیان حلال اور جائز ہے اس لیے کہ اس سے انسان کی اندرونی خواہشات کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ عورتوں کی نمائش بھی تجارت میں زیادہ نفع بخش چیز قرار پائی، کیوں کہ اُس سے کشش پیدا ہوجاتی ہے۔ اس طرح اچھے اور بُرے کا معیار منفعت کا وجود اور عدم وجود قرار پایا۔ ۳۔ علمی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو دورِ جدید کے بعض ماہرینِ معاشیات کے نزدیک منفعت دراصل وہ ہے جو سماج اور معاشرے کے لیے سودمند ہو، اگر چہ عملی زندگی میں اس نظریہ کا اطلاق عمل میں نہیں آسکے۔ مارکس فکری انقلاب کے بعد معاشی فراوانی اور معاشی خوش حالی کو کام یابی کا معیار قرار دیتا ہے۔ اس نظریہ کو مدِ نظر رکھ کر مختلف یورپی اسکالرس نے معیشت کی تعریف کی ہے۔ اس میں خاص کر مارشل نے اپنی کتاب 'معاشیات کے اصول' میں جو تعریف کی ہے، شاید ہی اس سے بہتر تعریف کوئی کر سکے۔ وہ رقم طراز ہے:

> ''سیاسی معیشت یا علم معاشیات انسانی زندگی کے روزمرّہ کے معمولات کے مطالعہ کا نام ہے۔ یہ فرد اور جماعت کے ان کاموں سے بحث کرتا ہے جن کا تعلق مادی فلاح و بہبود کی خاطر مادی ضروریات کے حصول اور ان کے طریقۂ استعمال سے ہے'' ۴۔

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے:

> ''دنیا میں انسانی زندگی پر دو اہم امور اثر انداز ہوتے ہیں: ایک تو اس کے معاشی معاملات وحالات اور دوسرا اس کا مذہبی عقیدہ۔ لیکن ان دونوں میں موازنہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ انسان مذہبی عقیدے کے مقابلے میں اپنے معاشی حالات سے زیادہ متاثر ہوتا ہے، کیوں کہ انسانی اخلاق و عادات پر روزمرّہ کے معمولات اور مادّی منفعت کے حصول سے گہرا اثر پڑتا ہے''۔ ۵۔

عصرِ حاضر میں معاشی انقلاب سے انسانی قدریں یک سر بدل گئیں۔ اس وقت انسان ایک دوسرے کو ڈالر کے پیمانے سے ناپنے لگا اور سماج کا طریقہ ہی یہ بن گیا کہ سماج میں بہترین اور اہم وہ انسان ہے جو سب سے زیادہ مال دار ہے، بلکہ افلاطون کے الفاظ میں فضلیت کا معیار ''معرفتِ الٰہی کے بجائے معاشی خوش حالی'' بن گئی۔ اس وقت جو اعلیٰ قدریں جاری و ساری ہیں وہ مکمل طور معاشی قدروں کے گرد گھومتی ہیں۔ مادی زندگی کے لیے انسان ہر اُس راستے پر چلنے کو تیار ہے جس سے یہ رتبہ حاصل ہو۔ اس کے برعکس وہ راستے فطرتِ سلیم اور صحیح عقائد سے ہم آہنگ ہیں، بلکہ ایک عظیم ماہرِ معاشیات سیلوہ جیزیل، جو اپنے طرزِ فکر میں کما حقہ بے حد معتدل اور اسلام سے قریب تر ہے، وہ اپنی کتاب 'فطری نظامِ معیشت' کے مقدمہ میں لکھتا ہے:

> ''جب کسی شخص کے اعمال اس کے دینی خیالات سے متصادم ہوں، حقیقتاً وہ روشن ضمیر ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اِن خیالات پر نظر ثانی کرے، کیوں کہ ایک خراب درخت بہترین پھل نہیں دے سکتا۔ اس بنا پر ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اس انجامِ بد سے بچنے کی کوشش کریں جس سے ایک مسیحی غربت اور فقر و فاقہ کی شکل میں دوچار ہوتا ہے اور جو اسے عقائد پر عمل کرنے کی وجہ سے معاشی قوتوں اور محرکات سے نپٹنے کی صلاحیت سے محروم کر دیتا ہے''۔ ۶؎

اٹھارویں اور اُنیسویں صدی میں معیشت کے بارے میں مخصوص نظریات رائج تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب معاشیات کو ابھی علیٰحدہ مضمون کی حیثیت حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اُس وقت معاشیات کو معیشت کہا جاتا تھا۔ معیشت کو منڈیاں چلاتی تھیں اور سمجھا جاتا تھا کہ ہر چیز کی ایک قدر یا قیمت ہے، جس کی وجہ سے معیشت چلتی ہے اور صرف پیداوار طلب و رسد سے جنم لیتی ہے۔ ۷؎

صنعتی انقلاب کے نتیجے میں اشیاء کی پیداوار نمایاں حد تک بڑھ چکی تھی۔ اس کے لیے منڈیاں درکار تھیں۔ اس بڑھوتری کی وجہ سے مغربی ملکوں میں کش مکش جاری

ہوئی، جس نے بعد میں نوآبادیاتی نظام کی شکل اختیار کر لی۔ صنعتی انقلاب میں سرمایہ دار طبقہ کو سیاست اور معیشت دونوں میں بالاتر پوزیشن حاصل ہوگئی تھی۔ صنعت وحرفت کے تناظر میں یہ دور ہندوستانی مسلمانوں کے لیے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ مسلم اصلاح کاروں نے اس کا بڑی باریک بینی سے مشاہدہ کیا اور اس کے تدارک کی تدبیریں کیں۔ اسی مقصد سے علامہ اقبال نے اپنی کتاب 'علم الاقتصاد' قلم بند کی۔ یہ کتاب اُس دور میں لکھی گئی جب کلاسیکل دور زوال پذیر تھا اور جدیدیت نے اپنے پنجے گاڑ دیے تھے۔ اس وجہ سے اس کتاب پر کلاسیکل نظریات کی بہت گہری چھاپ دِکھائی دیتی ہے۔

برصغیر کے تناظر میں یہ عہد بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ خصوصاً ۱۹۲۰ء کے بعد جب تجارت، صنعت وحرفت اور حکومتی اداروں پر ہندوؤں نے غلبہ حاصل کرلیا تھا اور مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ بات اُجاگر ہوگئی تھی کہ اُن کا بہ حیثیت قوم متحد ہونا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس کے لیے ان کے اندر معاشی قومیت کا احساس پیدا ہونا شروع ہوا اور بہ یک وقت مختلف سمتوں سے کوششیں شروع ہوئی۔۸ اس معاملے میں علامہ اقبال ایک کثیر الجہات شخصیت کی حیثیت سے سامنے آئے۔ انھوں نے معاشی مسائل اور نظریات پر گہری اور ناقدانہ نظر سے تحقیق شروع کی۔۹

اقبال نے اپنی کتاب 'علم الاقتصاد' کو زیادہ اہمیت نہیں دی، مگر انہوں نے اپنی نظم ونثر دونوں میں مختلف معاشی حوالوں سے اظہار خیال کیا ہے۔ اُن میں بعض خیالات شاہ ولی اللہؒ کی معاشی فکر سے جاملتے ہیں اور تعلیمی نظریات سرسید کے فکر کے حامل تھے، بلکہ یوں کہیے کہ انھوں نے اس کی ایک مزید نکھری ہوئی شکل ترتیب دی۔ اصل میں علامہ جن معاشی موضوعات کو زیر بحث لائے ہیں وہ بڑی اہمیت کے حامل تھے۔ انہوں نے ہندوستانی مسلم کی ابتر حالت کے لیے چار بنیادی عوامل کو ذمہ دار ٹھہرایا: (۱) مسئلہ غربت (۲) تصور فقر (۳) مسئلہ ملکیتِ زمین (۴) سرمایہ داری یا اشتراکیت۔ علامہ اقبال نے غربت کی، بالخصوص مسلمانانِ ہند کی معاشی بدحالی کو مدنظر رکھ کر اُس کی وجہ اور حل تلاش کرنے کی کوشش کی۔ ہندوستان میں پھیلی غربت اقبال کے معاشی فکر کا سب سے اہم پہلو رہا ہے۔ یوں تو غربت

ہندوستان کی عام پہچان ہے اور مسلمانوں کی عمومی اقتصادی حالت بہت ہی زیادہ ناگفتہ بہ ہے۔ عام غریب مسلمان بہت قلیل اُجرت پر کام کے لیے تیار ہوجاتے تھے، مگر کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے تھے۔ ۱۰؎ مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی کے کیا اسباب ہیں؟ اس کے پیچھے بین الاقوامی اقتصادی قوتوں کا کتنا ہاتھ ہے؟ اور کس حد تک اہل ملک کی اپنی کم زوریاں ذمہ دار ہیں؟ ان تمام امور پر گہرے غور وخوض کرنے کے بعد علامہ اقبال نے اُن کا حل بھی بتا دیا۔ ۱۱؎ اقتصادی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے مسلمانوں کے اندر رائج معاشی تفاوت کو ختم کرنا ضروری تھا۔ ۱۲؎ اگر چہ اقتصادی حالت بہتر بنانے کے لیے سرکاری ملازمتوں میں مسلمان کے تناسب میں اضافہ بھی ضروری ہے ۱۳؎ لیکن اجتماعی خوش حالی اُسی وقت ممکن ہے جب انھیں اقتصادی آزادی نصیب ہو۔ ۱۴؎ اقتصادی بدحالی کا واحد علاج تعلیم کا فروغ ہے۔ اس نئی صورتِ حال میں اقبال نے اپنے ہم وطنوں کے لیے ایک نئی راہ تجویز کی ہے، جو ایک نئے بلکہ ڈارون کے بقائے اصلح کے تصور سے ملتی جُلتی ہے۔ ۱۵؎

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے تعلیم کا فروغ انتہائی ناگزیر ہے۔ علامہ اقبال کا ماننا ہے کہ معاشی بد حالی کی وجہ تعلیم کی کمی ہے۔ تعلیم اور اقتصادی ترقی لازم وملزوم چیزیں ہیں ۱۶؎ اس لیے اصل غربت جدید صنعتی اثاثوں کی نہیں، بلکہ ذہنی قوتوں کی قلت ہے۔ تعلیم، تجربہ، تکنیکی مہارت، دلائل اور مشاہدات کا استعمال اور فرائض کو ٹھیک طرح انجام تک پہنچانے کا جذبہ ایسے عوامل ہیں جو بغیر کسی خارجی سہارے کے معاشرے کو خود بہ خود سیدھی راہ پر لے جاتے ہیں۔ تعلیم سے جدو جہد کی کارکردگی اور استعدادِ کار بہتر ہوتی ہے اور نئی ایجادات واختراعات کی راہ کھلتی ہے۔ اس کے ذریعہ سے قدرتی وسائل سے بھر پور استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ وسائل کی موجودگی بے معنی ہو جاتی ہے اگر اُن سے فائدہ اُٹھانے کے لیے تکنیکی مہارت اور اعلیٰ تجربہ کار موجود نہ ہوں۔ ۱۷؎ اقبال کی نظر میں تعلیم کے ساتھ صنعت و حرفت کی یکساں ترقی بھی ضروری ہے۔ اس کے برعکس ترقی اور خود انحصاری ناممکن ہے۔ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ صنعت وحرفت ہی معاشی ترقی کو مضبوط اور معنیٰ خیز بناتی ہے ۱۸؎ معاشی آزادی پر زور دینے کی وجہ یہ تھی کہ علامہ اقبال کے نظریے میں اقتصادی اور صنعتی

ترقی ہی دراصل سیاسی آزادی کی راہ فراہم کرسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے بالخصوص انہوں نے تجویز پیش کی کہ انہیں ادب اور فلسفے کے ساتھ تکنیکی علم سیکھنا انتہائی ناگزیر ہے ۔

بدست ادا گردادی ہنررا ید بیضا است اند راتشینش ۱۹۔

معاشی ترقی محض سرمایہ میں اضافے کا نام نہیں ہے اور نہ محض جزوی تبدیلیوں کا نام ہے، بلکہ حقیقت پسندانہ اور انقلابی تبدیلیاں ہی معیشت کی ضرورت پوری کرسکیں گی۔ ۲۰۔ اس حوالے سے اسلام کا کردار خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اقبال کو اس بات پر سوفی صد یقین تھا کہ اسلام ہی دنیا کے کسی بھی طبقے کو بدل سکتا ہے۔ اسی وجہ سے انھوں نے کہا: ''تم اپنے اندر جو اعتقادات رکھتے ہو وہ فرد کی اہمیت کے قائل ہیں۔ اس کے برعکس انسان اس بات کے لیے کوشش کرے کہ انسانیت کی خدمت کرسکے۔ اس لیے مسلمان جس تقدیر کی بات کرتا ہے اس کے امکانات ابھی پوری طرح وجود میں نہیں آئے۔ وہ اب بھی ایک نئی دنیا پیدا کرسکتا ہے جہاں ذات، رنگ یا دولت کے پیمانے سے اس کی عظمت کو ناپا نہیں جاتا، بلکہ اس طرزِ زندگی سے، جہاں غریب و امیر پر ٹیکس اُس کے معیار کے مطابق لگاتے ہیں، جہاں انسانی سوسائٹی شکم کی مساوات پر نہیں، بلکہ روح کی مساوات پر قائم ہے''۔ ۲۱۔

اقبال نے برصغیر کے مسلمانوں میں جس اقتصادی جدوجہد کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی وہ روایتی اقتصادی تصور کو منہدم کر دیتی ہے۔ کیوں کہ اُس کو تقدیر کا نوشتہ سمجھا جاتا تھا۔ اصل میں کاہلی کو تقدیر سمجھ کر مسلمانانِ ہند نے فقر و افلاس کو مقدر مان رکھا تھا۔ اس لیے اقبال نے تقدیر کے جداگانہ تصور کی مدد سے یہ پیغام دیا کہ'' ہم زمانے کی حرکات کا تصور ایک پہلے سے کھنچے ہوئے خط کی شکل میں نہیں کریں گے، کیوں کہ یہ خط ابھی کھینچا جارہا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ امکانات جو ہوسکتے ہیں، وقوع میں آئیں یا نہ آئیں۔ ۲۲۔ اس تقدیری نظریہ کو اقبال اشعار کے طرز پر بیان کرکے اس انداز سے وضاحت کرتے ہیں کہ دنیا میں کوئی چیز طے شدہ نہیں ہے، جس کو تبدیل نہ کیا جاسکتا ہو ۔

گرز یک تقدیر خوں گردد جگر خواہ از حق حکم تقدیر دِگر
تو اگر تقدیر نو خواہی رواست زانکہ تقدیرات حق لاتنہا است ۲۳؎

اگر انسان کے اندر حوصلہ اور جذبۂ جدوجہد زندہ ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کہیں بھی پا سکتا ہے۔ وہ جمود کا شکار نہیں ہوسکتا، وہ لاتعداد تقدیرات اور حکمتِ خداوندی سے جو چاہے طلب کرسکتا ہے ؎

تو اپنی سرنوشت اب اپنے قلم سے لکھ خالی رکھی ہے خامۂ حق نے تیری جبیں
جرأت ہو نمو کی تو قضا تنگ نہیں ہے اے مرد خدا ملکِ خدا تنگ نہیں ہے ۲۴؎

اسلام کے معاشی نظام کے مثبت مقاصد میں غربت کا انسداد اور تمام انسانوں کو معاشی جدوجہد کے مساوی مواقع فراہم کرنا ہے۔ اسلام سب کے لیے حصولِ رزق کے مواقع فراہم کرتا ہے اور مثبت طور پر ایسی حکمت عملی بنانے کی تاکید کرتا ہے، جس سے غربت وافلاس ختم ہو اور انسان کی بنیادی ضروریات لازماً حاصل ہوں۔ اسلام محض افلاس، غربت، معیار زندگی کے گرنے کے خطرات اور قلتِ وسائل کے طریقے اپنانے والی پالیسی کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ حالات کو بدلنے کے لیے یہ شرط بنیادی اہمیت کی حامل ہے کہ انسان کو مسئلہ غُربت ختم کرنے کے لیے اپنی ذہنی سستی و کاہلی کو بدلنا از حد ضروری ہے۔ اسی لیے اقبال کو پختہ یقین تھا کہ انسان اگر خود بدل گیا تو وہ اپنی دنیا تبدیل کرسکتا ہے ؎

رمز باریکش بحر مے مضمر است تو اگر دیگر شوی او دیگر است ۲۵؎

دوسرا اہم پہلو، جو برصغیر کے مسلمانوں کو اندر ہی اندر گھن کی طرح کھا رہا تھا، وہ معاشی تنگ دستی اور پریشان حالی ہے، جس کو تصورِ فقر کہا جاتا ہے۔ اقبال کے ذہن میں فقر اور استغناء ہم معنی الفاظ ہیں۔ وہ اس استغناء کو بے رغبتی کہتے تھے جو ارادی ہے، اضطراری نہیں ۲۶؎ اقبال کے تصورِ فقر کے علم بردار سوشلسٹ اور مادہ پرست لوگ نہیں، کیوں کہ وہ اصلیت سے ہٹ کر دنیا پرستی کے متلاشی ہیں، بلکہ اس کے علم بردار وہ لوگ ہیں جو حُبُ اللہ کے متلاشی ہیں۔ وہ دنیا میں روزگار کو زندگی کا اصلی مقصد نہیں، بلکہ اس تک پہنچنے کا ایک ذریعہ مانتے ہیں، کیوں کہ یہی چیز سکونِ قلب اُجاگر کرتی ہے، جو سر

مایہ دارانہ نظام میں ناپید ہے۔ اس کے علاوہ سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت دونوں اخلاقی احساس سے محروم ہیں۔ اخلاقی اقدار کی عدم موجودگی میں اعلیٰ مقاصد نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں اور پست مقاصد کے حصول، بالخصوص مال اور دولت کے لالچ و ہوس کے سوا انسان کا کچھ مقصد نہیں رہتا۔ اسی لیے اقبال معاشرے کو اس معاشی انارکی سے بچانے کے لیے خودی کا درس دیتے تھے۔ وہ زر یعنی دولت کی اندھی ہوس اور اس کے لیے دوڑ کا خاتمہ چاہتے تھے۔ ۲۷

انسانوں کے اندر رزق کمانے کی صلاحیتوں میں فرق ایک بدیہی حقیقت ہے، تاہم ناسور تب شروع ہوتا ہے جب دولت کمانے کی دوڑ اور دولت کی گردش کو روک کر اسے بالائی طبقہ تک محدود کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تو اس طرزِ سے معاشرہ دو حصّوں میں تقسیم ہو جاتا ہے: ایک دولت مند طبقہ اور دوسرا مفلس طبقہ۔ اگر اہل دولت اپنی دولت کو راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں تو اس سے معاشرے میں مساوات پیدا ہوتی ہے اور بہت سی اخلاقی بُرائیاں ناپید ہو جاتی ہیں۔ اس طرزِ عمل سے کم زور طبقہ کے اندر مضبوط سوچ اُجاگر ہوتی ہے۔ وہ جدوجہد کو اپنا شعارِ زندگی تصور کرتا ہے اور ہوسِ زر میں مبتلا ہونے کے بجائے حق پرست کی زندگی اختیار کرتا ہے۔

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات — جو فقر سے ہے میسر تونگری سے نہیں ۲۸

محروم خودی سے جس دم ہوا فقر — تو بھی شہنشاہ میں بھی شہنشاہ ۲۹

جب ہم پاک یعنی حلال زر کا نفاذ عمل میں لائیں گے تو زمین کی ملکیت کے اسلامی قانون کو بھی عمل میں لانا ضروری ہے۔ اس وجہ سے ملکیتِ زمین کے شرعی تصور کا ادراک بھی ضروری ہے۔ کیوں کہ سرمایہ دارانہ نظام میں سب سے زیادہ اہمیت نجی ملکیت کو دی جاتی ہے، جب کہ اشتراکیت میں ریاستی ملکیت کا تصور کارفرما ہے۔ ایک تصور انسان کے اندر ہوس و حرص کا مادہ پیدا کرتا ہے تو دوسرا کاہلی کو جنم دیتا ہے۔ اس سے کام کی صلاحیت انسانی طرز پر ممکن نہیں ہے۔ اس لیے اسلام جس طرزِ عمل کو اپنانا چاہتا ہے وہ انسانی بقا کے لیے ایک جامع اور صحیح طریقہ ہے۔

متعدد احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ زمین کی ملکیت اُس وقت تک برقرار رہے گی جب تک انسان، جس کے تصرف میں وہ ہے، اُس کو کاشت کے لیے استعمال کرے اور معاشرے کو اُس سے فائدہ ہوتا رہے۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کے پاس زمین ہو وہ یا تو کاشت کرے یا اپنے بھائی کو بلا معاوضہ دے دے، لیکن اگر وہ نہیں دینا چاہتا تو اپنی زمین روکے رکھے''۔

لیکن دوسری حدیث حضرت ابوسعید الخدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مزابنۃ اور محاقلۃ سے منع فرمایا ہے۔ مزابنۃ سے مراد درختوں پر کھجوروں کی خریداری اور محاقلۃ سے مراد زمین کا کرایہ ہے۔ (صحیح مسلم)

جہاں تک زمین کی نجی ملکیت کا تعلق ہے، قرآن مجید میں اس کے حق میں ٹھوس شواہد نہیں ملتے ہیں، البتہ شریعت اسلامی اس بات میں پوری واضح ہے کہ جو شخص کسی مردہ زمین کو زندہ کرے وہ اس کی ملکیت ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے صحیح طریقے سے زمین خریدی تو یہ بھی اس کی ملکیت ہے، مگر کسی بھی شخص کے لیے زمین کی ملکیت بنیادی طور پر اس بنا پر قرار پائے گی کہ وہ اس میں پیداوار اُگا کر اس سے انتفاع کر رہا ہے، نہ کہ محض اس وجہ سے کہ وہ اس کا مالک ہے۔ اگر غور کیا جائے تو اسے بالکل آزادانہ تصرف حاصل نہیں ہے، بلکہ اسے اسلامی نظام اور اس کے مقررہ اصول وضوابط کا پابند ہونا پڑے گا۔ اس تناظر میں برصغیر کی زمین کی نجی ملکیت کے بارے میں متعدد علماء کرام نے ہندوستان میں فتویٰ صادر کرکے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آراضیٔ ہند اشخاص کی ملکیت نہیں، بلکہ وقف للمسلمین کی حیثیت میں ملکیتِ خداداد ہے۔ اسی زمین کو فقہی اصطلاح میں 'ارض الحوازہ' کہا جاتا ہے۔ اس کے تاریخی شواہد موجود ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ارض عراق کے متعلق ایسا فیصلہ کیا تھا کہ یہ ملکیت وقف للمسلمین ہے اور شیخ جلال الدین تھانیسری نے اپنے رسالہ 'تحقیق آراضیٔ ہند' میں آراضیٔ ہند کو بیت المال کی ملکیت قرار دیا تھا۔ اس کے بعد بہت سے علماء کرام، خاص کر شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اپنے فتاویٰ میں وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ آراضیٔ ہند بیت المال

کی ملکیت ہے اوراس کی حفاظت کی ذمہ داری ہر مسلمان پر عائد ہوتی ہے ۳۰۔اس انداز سے دیکھا جائے تو علامہ اقبال اسلاف کی فکر کے امین ہیں، جو زمین کو نجی ملکیت کے بجائے آراضئ المملکۃ قرار دیتے ہیں ؎

دہ خدایا! یہ زمین تیری نہیں، تیری نہیں! تیرے آباء نہیں، تیری نہیں میری نہیں ۳۱۔

علامہ اقبال کا مدعا سمجھنے کے لیے ملکیت اور متاع میں فرق کرنا از حد ضروری ہے۔ اگر تصور ملکیت کو اپنی اصل میں دیکھا جائے تو یہ اپنے قبضۂ اختیار میں لینے کے معنیٰ میں ہے اور متاع کے معنیٰ دراصل سامانِ گزر بسر اور پونجی کے ہیں۔قرآنی تصور کے مطابق متاع درحقیقت زندگی گذارنے کے لیے سامانِ ضرورت ہے۔۳۲۔

اس لیے قرآن کے آفاقی اصولوں پر نظر ڈالی جائے تو ملکیت درحقیقت اللہ کی حاکمیتِ کلّی ہے اور انسان کو جو حقِ جائداد عطا کیا گیا وہ اس کے پاس امانت ہے۔اقبال نے اپنی شہرآفاق کتاب 'جاوید نامہ' کی ایک نظم 'ارض ملکِ خدااست' میں اس تصور کی بہت خوبی سے وضاحت کی ہے۔ ان کے نزدیک اس میں موجود تمام چیزیں اللہ کی عطا کردہ ہیں اور انسان محض تمتع کا حق رکھتا ہے۔ ؎

ہم چناں ایں بادوخاک و ابر وکشت باغ وراغ و کاخ وکو وسنگ وخشت
اے کہ می گوئی متاع مازماست مردِ ناداں ایں ہمہ ملکِ خدااست
ارض حق را ارض خود دانی بگو چیست شرح آئیہ لا تفسدو!
ابن آدم دل بابلیسی خود نبرد اے خوش آن کو ملک حق با حق سپرد ۳۳۔

سرمایہ دارانہ معیشت کی بنیاد لامحدود نجی ملکیت اور منافع کے حق، کھلی منڈی کے تحت مقابلے اور حکومت کی کم سے کم مداخلت کے اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ یہ نظام ہر قسم کی اخلاقی قدروں سے ماوراء اور جہد للبقا کے اصول پر استوار ہے۔اقبال کی نظم و نثر دونوں اس امر پر شاہد ہیں کہ انہیں یہ نظامِ فاسد پسند نہیں ہے، کیوں کہ اس سے امیر لوگ غریبوں کو اپنا کو غلام بنا لیتے ہیں۔ اس میں کسی قسم کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ ہر شعبے کے بالادست افراد دیگر لوگوں کا گلا گھونٹتے ہیں۔ جاگیردار دہقان کو اپنا غلام سمجھتا

ہے اور یہ تاثُر دیتا ہے کہ وہ اُس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح سرمایہ دار مزدور کو پیستا ہے۔ اس طرز زندگی سے غریب طبقہ مختلف آقاؤں کے درمیان پھنس کر رہ جاتا ہے اور اس کی زندگی کا مقصد محض تن کی خاطر جدوجہد رہ جاتا ہے ؎

عصرِ حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے قبض کی روح تیری دے کے تجھے فکرِ معاش ۳۴؎

سرمایہ دارانہ نظام جس قسم کے حالات پیدا کرتا ہے، اس کے خدوخال اقبال یوں واضح کرتے ہیں ؎

حکمتِ ارباب لیں مکر است و فن مکر و فن؟ تخریب جان تعمیرِ تن!
حکمتے از بندِ دین آزادۂ از مقام شوق دور افتادۂ
مکتب از تدبیر او گیرد نظام تا بکامِ خواجہ اندیشہ غلام!
ملتے خاکستر او بے شرر صبحِ او از شام او تاریک تر
ہر زماں اندر تلاش ساز و برگ کارِ او فکر معاش و ترسِ مرگ ۳۵؎

سرمایہ درانہ نظام میں انسان دوسرں کے خوابوں کا خون کر کے بغیر پروا کیے آگے نکل جاتا ہے۔ وہ انسان کے جسم کے ہر قطرۂ زندگی کو چوس کر کے خالی ڈھانچہ چھوڑ دیتا ہے۔ اس نظام کی مثال شہد کی مکھی کی طرح ہے کہ وہ پھول سے اس کا رس چوس لیتی ہے، جس کے نتیجے میں پھول کی شاخ، رنگ، پتے وغیرہ تو رہتے ہیں، لیکن جسم سے روح خالی رہتی ہے۔ ؎

ہم ملوکیت بدن را فر بہی است سیشہ بے نور او از دل تہی است
مثل زنبو رے کہ برگل می ژرد برگ لا بگزارد و شہدش برو
مرگ باطن گر چہ دیدن مشکل است گل محوان اورا کہ در معنی گل است ۳۶؎

اقبال دنیائے انسانیت کو جدید تثلیث کے استحصالی نظام سے نجات دِلانا چاہتے ہیں۔ اس میں سرمایہ داری، مذہبی پیشوائیت اور اربابِ حکومت شامل حال ہیں۔ وہ سرمایہ دارانہ نظام کے خاتمے ہی کے نہیں، بلکہ مکمل صورت حال میں تبدیلی کے خواہاں ہیں۔ ؎

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو کاخِ امراء کے در و دیوار ہِلا دو

گرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقین سے کنجشک و فرومایہ کو شاہین سے لڑا دو
سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مِٹا دو
کیوں خالق ومخلوق میں حائل رہیں پردے پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اُٹھا دو ۳۷؎

اقبال اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے خود کو اشتراکیت کا سہارا لینے پر مجبور پاتے ہیں، مگر اس اشتراکی نظام میں انھیں وہ دم خم نظر نہیں آتا ہے جو انھیں اسلام کے طریقۂ جدو جہد میں دکھائی دیتا ہے۔ اس جدو جہد کا جو نقشہ اقبال نے کھینچا ہے اُس کو رحیم بخش شاہین نے یوں پیش کیا ہے: ''اس شعر میں علم کا مقصد روحانی و اخلاقی معراج کا حصول ہے۔ اس شعر میں سرمایہ پرستی، خودغرضی اور انسانی محنت کا استحصال نہیں ہے۔ مزدور سرمایہ دار کے استحصال سے آزاد ہے''

چوں کہ اقبال سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف تھے اور وہ ملوکیت کو سرمایہ داری کی بنیاد قرار دیتے تھے، اس لیے اُس کا ماننا ہے کہ جب تک ملوکیت ختم نہیں ہوگی اس وقت تک دنیا سے غربت کا خاتمہ نہیں ہوسکتا۔ جن لوگوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ علامہ اقبال اشتراکیت کے حامل تھے اور وہ اس کا عملی نفاذ چاہتے تھے، وہ صراحتاً غلط فہمی کا شکار ہیں۔ اقبال 'جاوید نامہ' میں اشتراکیت کے علم برداروں کو بہ ذریعہ افغانی یہ پیغام دیتے ہیں کہ اشتراکیت کی طرح اسلام بھی ملوکیت، قیصریت، کلیسائیت، مذہبی اجارہ داری، سرمایہ داری، جاگیرداری اور زمین داری کے اصولوں کے خلاف ہے۔ اسلام ابتدا سے مساوات کا حامل ہے، جیسے آج اشتراکیت مساوات کا دعویٰ کرتی ہے۔ دونوں مفلسوں، ناداروں اور غریبوں کی کفالت چاہتے ہیں۔ اس مساوات کے بعد جو بات اہمیت کی حامل ہے وہ یہ کہ وہ روسیوں کو خطاب کر کے اُن کو ہمت دِلاتے ہیں کہ اس مساوات کے لیے اگر وہ ایک قدم آگے بڑھیں اور سچے خُدا پر ایمان لے آئیں تو دنیا کو ایک مستحکم نظام فراہم ہو جائے گا۔ اس لیے اگر تم لا اِلٰہ کے بعد اِلاّ اللّٰہ کے قائل نہیں ہو تو کوئی مستحکم نظام نہ دے سکو۔

اے کہ می خواہی نظام عالمے جُستۂ او را اساسِ محکمے ۳۸؎

اس نظام کے حصول کے لیے اقبال نے روسیوں کو قرآن کریم سے تعلیمات حاصل کرنے کو کہا، کیوں کہ اسلام سود خوری اور سرمایہ داری کے حق میں پیغامِ مرگ ہے۔ اس نے مزدوروں کے حق میں ایک نئی اُمید جگادی۔ اقبال پر قرآنی تعلیمات کا اتنا زیادہ اثر تھا کہ انہوں نے کھل کر سرمایہ داری اور جاگیرداری کو انسان دوستی، مساوات اور تقویٰ و نیکی کے خلاف قرار دیا۔

چیست قرآن؟ خواجہ را پیغام مرگ دستگیر بندۂ بے ساز و برگ
ہیچ خیر از مردکِ زر کش مجو لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوا ۳۹

اقبال کا ماننا ہے کہ کاشت کار زمین داروں کے جبر و ظلم سے محفوظ رہے، سائنسی ترقی کا مقصد انسانیت کی فلاح و بہبود اور مکمل امن و امان ہے۔ ہر شخص کو فکر و عمل کی آزادی حاصل ہے۔ اس شعر میں فرد اور معاشرے کے حقوق و فرائض میں بے مثال ہم آہنگی ہے۔ اخوت و بھائی چارہ معاشرے کی پہچان ہے۔ یہ خصوصیات صرف اور صرف اسلامی بنیادوں پر قائم ہونے والے معاشرے اور معیشت میں ممکن ہیں۔

علامہ اقبال زندگی کو اسلامی نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اگرچہ ہیگل کی طرح ان کا تصورِ زندگی بھی ارتقا پذیر ہے، تاہم ایک بنیادی فرق دونوں کے نقطۂ نظر میں یہ ہے کہ ہیگل تاریخ عالمِ روح مطلق کو نمائش گاہ کے مانند مانتے ہیں۔ اُن کے نزدیک انسانی صلاحتیں، یہاں تک کہ تمام انسان روحِ مطلق کے آلۂ کار ہیں۔ اس کے علاوہ ہیگل کے نزدیک اس کش مکش کا نتیجہ بقائے اصلح ہے۔ اس کے برعکس اقبال کے نزدیک کش مکش کی اصل بنیاد حق و باطل کی کش مکش ہے۔

اقبال کے نزدیک انقلاب کا بنیادی مقصد انسانوں کو غلامی سے نجات دِلانا ہے، نہ کہ حکم رانوں کی تبدیلی۔ یعنی نظامِ کائنات میں ایک خطہ کو دوسرے خطہ سے تبدیل کرنا۔ ان کا مقصد اللہ کے قانون کی حکم رانی ہے، جس کا نتیجہ حلال و حرام کی حدود کا تعین ہوگا۔

تا ندانی نکتۂ اکلِ حلال بر جماعت زیستن گردد وبال ۴۰

اس قانون کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان معاشی لحاظ سے کسی کا محتاج نہیں رہے گا۔ ؎

کسی نہ گردد در جہاں محتاج کس نکتۂ شرح مبین ایں است وبس ۴۱؎

اخلاقی قدروں سے جب انسان آراستہ ہوگا، جو کہ خُدا کو تسلیم کرنے کا لازمی نتیجہ ہے تو معیشت انفاق فی سبیل اللہ کی بہ دولت مالا مال ہوگی۔ ؎

جو حرف قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار ۴۲؎

ہندوستانی مسلمانوں کو اُنیسویں صدی کے وسط میں جو معاشی مشکلات درپیش تھیں، وہ آج بھی موجود ہیں۔ علامہ اقبال نے اس حوالے سے جس تدبر و تفکر اور تحقیقی انداز سے اس کی بنیادی وجوہ بیان کیں وہ قابلِ تحسین ہیں۔ وہ معاشی اصلاح کو کلیدی اہمیت دیتے تھے۔ اُن کا سو فی صد ایمان تھا کہ جب تک مسلمان معاشی بدحالی سے نجات حاصل نہیں کریں گے، وہ سیاسی تبدیل لانے میں کام یاب نہیں ہوسکیں گے۔ انگریزوں کے سفاک طریقے اور بعد ازاں ہم وطنوں کے من مانی طریقۂ کار نے مسلمانوں کو معاشی بدحالی کے بدترین اندھیرے میں دھکیل دیا ہے۔ اس لیے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ وہ سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ نظام کے خلاف ایک جٹ ہوکر، انفاق فی سبیل اللہ کے طرز پر معاشی نظام قائم کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔

حواشی و مراجع

۱؎ محمود ابوالسعود؛ اسلامی معیشت کے بنیادی اصول، الاتحاد الاسلامی العالمی للمنظمات الطلابیۃ، کویت، ص: ۱۵۔۱۸

۲؎ حوالہ سابق، ۲۰۔۲۱

3- M Aziz : An Islamic Perspective of Political Economy: The Views of (late) Muhammad Baqir al-Sadr, al Tawhid Islamic Journal, vol. X, No.1, Qum, Iran, P:6

4- Alfered Marshall, Principles of Economy , Cosmic Ins. USA, 2006 ,V:1,P:10

۵۔ حوالہ سابق، ص، ۱۵

6- Silvio, Gesell; Natural Economic Order, San Antinio, Tex. : Free-economy publishing Co., 1936,P:36

۷۔ اسلامی معیشت کے بنیادی اصول، ص ۱۹-۳

8- Nureen Talha: Economic factor in the Making of Pakistan Oxford university Press, Karachi, 2000, PP:90-91

۹۔ علامہ محمد اقبال: علم الاقتصاد، دیباچہ از انور اقبال قریشی، iv to xi

۱۰۔ سید عبد الواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی، (مرتبین)، مقالات اقبال، آئینہ ادب، لاہور، ۱۹۸۲ئ، طبع دوم، ص ۱۸

۱۱۔ حوالہ سابق، ص: ۱۸۲-۱۸۰

۱۲۔ حوالہ سابق، ص: ۱۸۱

۱۳۔ حوالہ سابق، ص: ۱۸۲-۱۸۱

۱۴۔ حوالہ سابق، ص: ۱۶۴

۱۵۔ قاضی جاوید، سرسید سے اقبال تک، تخلیقات، لاہور، ۱۹۹۸ء ص: ۲۱۴

۱۶۔ علامہ اقبال: علم الاقتصاد، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۴، ص: ۵۹-۱۵۸

۱۷۔ حوالہ سابق، ص: ۵۹

18- Meier Baldwin,Et.al, Economic Development: Theory, History,Policy,Asia Publishing House, Bombay, 1962 P:12

۱۹۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال (فارسی) ارمغان حجاز) ص: ۹۸۲

20- E.D. Domer, Economic Growth: An Economic Approach, American Economic Review, Vol.XVII, No.2,May 2591, P:18

۲۱۔ لطیف احمد خان شیروانی (مرتب ومترجم)؛ حرفِ اقبال، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء ص: ۶۶-۶۵

۲۲۔ علامہ اقبال، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، اردو ترجمہ، نذیر نیازی، ص: ۸۴

۲۳۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال (فارسی) جاوید نامہ، ص: ۶۹۵ / ۱۰۷

۲۴۔ علامہ اقبال،کلیات اقبال (اردو) ضرب کلیم،ص۸ ۶۳/ ۱۷۶، ۵۱۵/ ۵۳

۲۵۔ علامہ اقبال،کلیات اقبال (فارسی) جاوید نامہ،ص:۶۹۵/ ۱۰۷

۲۶۔ پرفیسر اسلوب احمد انصاری، مطالعۂ اقبال کے چند پہلو، کاروانِ ادب، ملتان، ۱۹۸۶ء ص: ۶۳

۲۷۔ فاروق عزیز، اقبال کے معاشی افکار، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، ۱۹۹۴ئ، ص:۲۸

۲۸۔ علامہ اقبال،کلیات اقبال (اردو)،ضرب کلیم،ص:۴۰۵/ ۱۹

۲۹۔ علامہ اقبال،کلیات اقبال (اردو)،ضرب کلیم،ص:۵۲۶/ ۱۴۰

۳۰۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاردی؛ اسلام کا اقتصادی نظام، ادارہ فروغ اسلام، لاہور، ۱۹۷۴ئ،طبع دوم،ص: ۱۴۔۴۱۱

۳۱۔ علامہ اقبال،کلیات اقبال (اردو)، بال جبریل،ص ۳۴۰/ ۱۰۰

۳۲۔ رحیم بخش شاہین، اقبال کے معاشی نظریات، گلوب پبلیشرز، لاہور، ۱۹۷۴ئ، ص:۸۵

۳۳۔ علامہ اقبال،کلیات اقبال (فارسی)، جاوید نامہ،ص: ۲۹۷/ ۱۰۹

۳۴۔ کلیاتِ اقبال،اردو(ضرب کلیم)،ص:۵۷۴/ ۱۷

۳۵۔ کلیات اقبال، فارسی (پس چہ باید کرد)،ص: ۱۲۔۸۱۱/ ۱۶۔۱۵

۳۶۔ کلیاتِ اقبال (فارسی) (جاوید نامہ)،ص: ۶۵۲/ ۶۴

۳۷۔ کلیات اقبال (اردو) (بال جبریل)ص:۳۳۰۔۳۳۱/ ۹۰۔۹۱

۳۸۔ کلیاتِ اقبال (فارسی) (جاوید نامہ)،ص:۶۶۷/ ۷۹

۳۹۔ کلیاتِ اقبال (فارسی) (جاوید نامہ)،ص:۶۶۸/ ۸۰

۴۰۔ حوالہ سابق،ص ۸۲۶/ ۳۰

۴۱۔ حوالہ سابق، ۸۲۸/ ۳۲

۴۲۔ ضرب کلیم، ۵۰۱/ ۱۱۵

☆☆☆

سید شریف رضی اور ان کی کتاب نہج البلاغہ

جناب ابوطلحہ

سید شریف رضی کی کتاب 'نہج البلاغۃ' کو علمی و ادبی حلقوں میں بہت اہمیت دی گئی ہے۔ اس کی تاریخی اور استنادی حیثیت پر اگرچہ بعض حضرات نے شبہات ظاہر کیے ہیں، لیکن ادبی پہلو سے اس کی عظمت کا تمام لوگوں نے اعتراف کیا ہے۔ عربی اور اردو دونوں زبانوں میں اس موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ زیر نظر مقالہ میں کتاب اور صاحبِ کتاب کا مختصر تعارف کرایا گیا ہے۔ (رضی الاسلام)

چوتھی صدی ہجری میں سیاسی و اجتماعی اضطرابات کے باوجود ادب وثقافت نے غیر معمولی ترقی کی۔ خلفاء، وزراء اور بادشاہوں نے شعراء اور ادباء کو اپنے دربار میں جگہ دی اور انہیں عطیات سے نوازا۔ اس سے تحریک پاکر شعراء وادباء نے شعر وادب کو ترقی دینے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس صدی میں بویہیوں نے ادب کی بیداری میں حصہ لیا اور انھوں نے شعرائ، ادباء اور علماء سے خط وکتابت کی۔ ان کے بعض وزراء بھی شعر وادب کی طرف مائل تھے۔ جیسے ابو اسحاق الصابی نے عضد الدولۃ تک اپنی کتاب 'التاجی فی اخبار بنی بویہ' لکھ کر بھجوایا اور ابوعلی الفارسی نے اپنی کتاب 'الایضاح والتکملۃ فی علم النحو' لکھ کر عزالدولۃ کو ارسال کی، جب کہ عزالدولۃ بہ ذات خود شعروشاعری کرتا تھا۔ اسی کے ساتھ ابن العمید، جو کہ وزیر رکن الدولۃ، صاحب بن عباد، جو وزیر مؤید الدولۃ اور عبدالعزیز بن یوسف، جو منشی عضد الدولۃ اور وزیر بہاؤ الدولۃ تھا، یہ حضرات بھی ادباء کی حیثیت سے شہرت رکھتے تھے۔ اس صدی میں نقد نے بھی ترقی کی اور اس فن میں خوب کتابیں تالیف ہوئیں اور بہت سی قاموسیں اور معاجم لکھی گئیں۔ خلفاء کے محل شعروشاعری اور مناظرات سے پر ہوتے، علماء اور فقہاء کے گھر طالب علموں اور معرفت کے متلاشیوں سے کھچا کھچ بھرنے لگے۔ اس کے

ساتھ شعری دائرہ بھی وسیع ہوا، اس کے اسالیب میں تنوع آیا اور شعر میں نئے ابواب، جیسے اخوانیات، سلطانیات اور شعر الشکوی وغیرہ کی ایجاد ہوئی اور بہت سے نام ور شعراء پیدا ہوئے، جیسے متنبی، ابوفراس ہمدانی، محمد بن عبداللہ السلامی، مہیار الدیلمی، ابو العلاء المعری اور ابن الحجاج وغیرہ۔ نثر میں بھی بہت سے ادیب پیدا ہوئے، جیسے ابو الفرج الاصفہانی، ابو اسحاق الصابی اور ابو بکر الخوارزمی وغیرہ۔ ہم یہاں ایک ایسے شخص کا ذکر کریں گے جو ادب و شعر دونوں میں مہارت رکھتا تھا، جس کو دنیا 'شریف رضی' کے نام سے یاد کرتی ہے۔ شریف رضی کا تعلق بہاؤ الدولۃ سے بہت اچھا تھا، چنانچہ اس نے ان کو الشریف الجلیل، ذوالمنقبتین اور ذوالحسبین کے القاب سے نوازا، پھر ۴۰۱ھ میں شریف الاجل کا خطاب دیا۔ اے تمام شہر میں طالبیوں کے معاملات کی ذمہ داری دینے کے بعد ان کو 'نقیب النقبائ' کا خطاب عطا کیا۔ یہ تمام مناصب اور القاب شریف رضی کی عظمت اور ان کے نابغۂ روزگار ہونے کی دلیل ہیں۔

ولادت:

شریف رضی بغداد میں ۳۵۹ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کا پورا نام ابو الحسن محمد بن ابی احمد الحسین بن موسی ہے اور ان کا سلسلۂ نسب حضرت علی بن ابی طالبؓ تک پہنچتا ہے۔ لیکن لوگوں کے درمیان وہ شریف رضی کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کے والد عزالدولہ کے زمانے میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ ان کی ماں فاطمہ کا سلسلۂ نسب احمد بن الحسین الناصر الکبیر الاطروش صاحب الدیلم تک پہنچتا ہے۔ ان کی ماں کی وفات ۳۸۵ھ میں ہوئی۔ ۳؎

شریف رضی کی تاریخ پیدائش پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے، سوائے آدم متز کے کہ انہوں نے تاریخِ پیدائش ۳۶۱ھ ذکر کی ہے ۴؎ لیکن ان کے پاس اس کی کوئی ٹھوس دلیل نہیں ہے۔

تعلیم وتربیت:

شریف رضی نے اپنے زمانے کے بہترین علماء سے تعلیم حاصل کی۔ ان کی والدہ اپنے دونوں بیٹوں رضی اور مرتضی کی تعلیم وتربیت کا خاص خیال رکھتی تھیں۔ اس

سلسلے میں ابن الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے:

''مفید ابوعبداللہ محمد بن نعمان نے خواب میں دیکھا کہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس مسجد میں آئیں۔ ان کے ساتھ ان کے دونوں صاحب زادے حسن اور حسین تھے۔ انھوں نے سلام کیا اور کہا کہ ان دونوں کو فقہ کی تعلیم دیجیے۔ ان کو اس بات سے بہت تعجب ہوا۔ جب صبح نیند سے بیدار ہوئے تو ان کے پاس فاطمہ بنت ناصر آئیں۔ ان کے ساتھ ان کے دونوں لڑکے رضی اور مرتضی تھے۔ انھوں نے سلام کیا اور کہا: اے شیخ! یہ دونوں میرے لڑکے ہیں، آپ ان کو فقہ کی تعلیم دیجیے۔ ابوعبداللہ رونے لگے۔ ان سے اپنا خواب بیان کیا اور انہوں نے ان دونوں کو فقہ کی تعلیم دی۔''۵؎

شریف رضی شروع ہی سے بہت ذہین تھے۔ کم عمری ہی میں انہوں نے مختلف علوم وفنون میں نام پیدا کرلیا تھا۔ ابن خلکان نے ابوالفتح عثمان بن جنی کے حوالے سے ان کی ذکاوت کا یہ واقعہ نقل کیا ہے:

''شریف رضی ابن سیرافی نحوی کی مجلس میں اس وقت لائے گئے جب ان کی عمر دس سال سے کم تھی۔ ابن سیرافی نے ان کو نحو کی تلقین کی۔ ایک دن شریف رضی نحو کے سبق میں بیٹھے ہوئے تھے، استاذ اور شاگردوں کے درمیان مذاکرہ چل رہا تھا کہ ابن سیرافی نے رضی سے 'رأیت عمرواً' میں عمرو کے حالتِ نصبی میں ہونے کی علامت پوچھی۔ شریف رضی نے فوراً جواب دیا: بغض علی۔ سیرافی اور حاضرینِ مجلس ان کی اس ذکاوت پر دنگ رہ گئے۔''۶؎

اخلاق حمیدہ:

شریف رضی متعدد صفات کے حامل تھے۔ ان کی پیدائش ایک ایسے گھرانے میں ہوئی جو علم وسیاست میں اپنا مقام رکھتا تھا۔ ان پر اپنے گھرانے کا بہت اثر پڑا۔ وہ ایک سخی، بہادر، قانع، دین دار اور شریف انسان تھے۔ ابن الجوزی نے المنتظم میں اور ابن الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں انھیں انہی صفات کے ساتھ یاد کیا ہے، لیکن ابن الحدید نے ایک اور صفت کا اضافہ کیا ہے، جس کا ابن الجوزی نے تذکرہ نہیں کیا ہے کہ وہ اتنے

غیور تھے کہ کبھی کسی سے ہدیہ قبول نہیں کیا، حتی کہ اپنے باپ کے ہدیہ کو بھی لوٹا دیا۔شریف رضی کی دیانت داری کا ایک قصہ بہت مشہور ہے:

ایک مرتبہ انھوں نے ایک عورت سے پانچ درہم میں ورق کا ایک گٹھر خریدا۔ اس میں علی بن مقلہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک تحریر پائی۔ انھوں نے ایجنٹ سے کہا کہ اس عورت کو بلاؤ۔ جب وہ عورت آئی تو انھوں نے اس سے کہا کہ اس ورق میں ہم نے ابن مقلہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک تحریر پائی ہے۔ اگر تو چاہے تو اسے لے لے، یا اگر چاہے تو مجھے پانچ درہم میں بیچ دے۔ اس عورت نے اس کو بھی پانچ درہم میں بیچ دیا۔[۷]

شریف رضی ایک خوددار انسان تھے۔ چنانچہ ابو حامد احمد بن محمد اسفرائینی نے شریف رضی اور مرتضی کی باہم افضلیت کا ایک واقعہ نقل کیا ہے، جس سے ایک طرف یہ پتہ چلتا ہے کہ ان میں کون افضل ہے، دوسرے اس واقعہ سے ان کی خودداری کا بھی علم ہوتا ہے۔

اسفرائینی کہتے ہیں کہ ایک دن میں بہاؤالدولہ کے وزیر محمد بن خلف کے پاس تھا، اتنے میں رضی آئے۔ وزیر نے ان کی بہت تعظیم وتکریم کی اور اپنے کام چھوڑ کر ان سے باتیں کرنے لگا۔ یہاں تک کہ رضی چلے گئے۔ پھر کچھ دیر بعد مرتضی آئے، لیکن وزیر نے ان کی ایسی تعظیم نہ کی، جیسا کہ ان کے بھائی رضی کی کی تھی اور اپنے کاموں میں مشغول رہا۔ مرتضی تھوڑی دیر بیٹھے رہے۔ کسی چیز کی درخواست کی، اس کو وزیر نے پورا کر دیا۔ ابو حامد کہتے ہیں کہ جب مرتضی چلے گئے تو میں وزیر کے پاس آیا اور اس سے کہا: اللہ وزیر کا بھلا کرے۔ یہ مرتضی تھے، جو بہت بڑے فقیہ، متکلم، صاحبِ فضل و کمال ہیں۔ جب کہ ابوالحسن صرف ایک شاعر ہیں۔ اسفرائینی کہتے ہیں کہ وزیر نے مجھ سے کہا: جب لوگ چلے جائیں گے تو میں اس کا جواب دوں گا۔ جب تمام لوگ چلے گئے تو وزیر نے اپنے خادم سے کہا: ان دونوں خطوط کو لاؤ جن کو میں نے کچھ دن پہلے تم کو دیا تھا کہ ان کو فلاں ٹوکری میں رکھ دو۔ خادم نے حکم کی تعمیل کی۔ وزیر نے کہا کہ یہ رضی کا خط ہے، جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ ان کے یہاں ایک لڑکے کی ولادت ہوئی ہے۔ میں نے انہیں ایک ہزار دینار دینے کا حکم دیا اور لکھا کہ یہ دایہ کے لیے ہے۔ اس طرح کے مواقع پر دوست واحباب میں تحفہ تحائف دینے کا رواج ہوتا ہے، لیکن انہوں نے

قبول کرنے سے معذرت ظاہر کی اور لکھا کہ ہم اہل بیت ہیں۔ ہمارے احوال پر کوئی اجنبی دایہ واقف نہیں ہوسکتی۔ ہمارے گھرانوں کی بوڑھی عورتیں دایہ کے فرایض انجام دیتی ہیں، جن پر وہ کسی اجرت کی طلب گار نہیں ہوتیں۔

رہی بات مرتضی کی تو ہم نے بادور یا کے املاک پر بیس درہم کی قسط مقرر کی، جس کی قیمت ایک دینار تھی تو انھوں نے مجھے چند دن ہوئے، اس سلسلے میں یہ خط لکھا تھا۔ لو اس کو پڑھو۔ اسفرایینی کہتے ہیں کہ جب میں نے اس کو دیکھا تو اس کی عبارت سو سطروں سے زیادہ تھی اور اس میں صرف چاپلوسی اور تملق کے الفاظ کی بھرمار تھی اور ان دراہم کو معاف کردینے کا مطالبہ تھا۔ وزیر نے کہا کہ تم ہی بتاؤ، ان دونوں میں تعظیم و تکریم کا زیادہ مستحق کون ہے؟ ۸؎

وفات:

شریف رضی کی زندگی بہت مختصر رہی۔ ۶/محرم ۴۰۶ھ میں سینتالیس (۴۷) سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوگیا۔ ۹؎ ان کے جنازے میں بڑے بڑے سردار اور قاضی حاضر ہوئے۔ فخر الملک وزیر بویہی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ کرخ میں سپرد خاک ہوئے۔

علمی کارنامہ:

شریف رضی کاتب، مفکر، فقیہ، عالم، ماہر لغت اور شاعر کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ ان کے نثری اور شعری نمونوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بہت بڑے شاعر اور ادیب تھے۔ انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کی، جن میں سے چند اہم درج ذیل ہیں:

۱-أخبار قضاة بغداد ۲-تعليق خلفاء الفقهاء
۳-تعليقة على الإيضاح لأبي علي الفارسي
۴-تلخيص البيان عن مجازات القرآن
۵-الجيد من شعر أبي تمام ۶-الحسن من شعر حسين
۷-حقائق التأويل في متشابه التنزيل ۸-خصائص الأئمة
۹-ديوان شعره ۱۰-رسائله

۱۱-الزیادات فی شعر أبی تمام ۱۲-الزیادات فی شعر ابن الحجاج
۱۳-سیرۃ والدہ الطاھر
۱۴-ما دار بینہ و بین أبی اسحاق الصابی من الرسائل
۱۵-مجازات الآثار النبویۃ ۱۶-مختار شعر أبی اسحاق الصابی

لیکن شریف رضی کو جس کتاب کی وجہ سے لازوال شہرت حاصل ہوئی، اس کا نام نہج البلاغہ ہے۔

نہج البلاغہ

نہج البلاغہ کو کس نے جمع کیا؟ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابن خلکان پہلا شخص ہے جس نے اس کو شریف مرتضی کی تصنیف بتایا ہے۔ اس کے نقش قدم پر ابن حجر عسقلانی، صلاح الدین صفدی وغیرہ بھی ہیں۔ لیکن مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے مجلۃ ثقافۃ الہند میں 'استناد نہج البلاغۃ' کے نام سے ایک مقالہ لکھا، جس میں انھوں نے یہ ثابت کیا کہ یہ درحقیقت شریف رضی کی تصنیف ہے نہ کہ ان کے بھائی مرتضی کی۔

ہندوستان میں یہ کتاب تیرہویں صدی ہی میں مقبول ہوگئی تھی۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے خلیفہ شیخ حمید الدین ناگوری نے خاص طور پر اس کتاب کو سراہا ہے۔ ہر دور میں مشاہیر علماء نے نہج البلاغہ کی شرح تیار کی۔ اب تک تقریباً سو سے زیادہ شرحیں لکھی گئیں ہیں۔ ان میں ابن ابی الحدید کی شرح کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ مصر کے مشہور عالم مفتی محمد عبدہ نے بھی اس کی شرح لکھی، جو بہت مشہور ہوئی۔ اس کے علاوہ اردو میں بھی اس کے کئی ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔ نہج البلاغہ کا ایک نسخہ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے کتب خانہ میں موجود ہے، جو دنیا کے قدیم ترین نسخوں میں سے ہے۔ اسے مرتب کی وفات کے ۱۳۲/سال بعد یعنی ۵۳۸ھ میں نقل کیا گیا ہے۔ یہ نسخہ دو جلدوں پر مشتمل ہے: پہلی جلد میں صرف خطبات ہیں اور دوسری جلد میں خطبات کے علاوہ توقیعات وغیرہ بھی شامل ہیں۔ اس نسخہ پر متعدد علماء کی مہریں اور دستخط ہیں۔ سب سے پہلا اندراج ۱۰۲۴ھ کا اور سب سے آخری اندراج ۱۳۴۴ھ کا ہے، جو مولانا عبدالعزیز المیمنی کا ہے۔ ان اندراجات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ کچھ عرصہ بحرین میں بھی رہا ہے۔

نہج البلاغۃ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبات، ارشادات، مقولات، وصایا، مواعظ اور مکاتیب کا مجموعہ ہے، جسے تیسری ہجری میں شریف رضی نے مرتب کیا تھا۔ انھوں نے حضرت علیؓ کے تمام خطبات و مواعظ اس میں شامل نہیں کیے، بلکہ صرف وہ خطبات اور خطوط منتخب کیے جن کی حیثیت مستند اور مصدّقہ تھی۔ اس کتاب کا مقام عربی ادب و بلاغت میں بہت بلند ہے، چنانچہ شیعہ حضرات کے نزدیک اسے قرآن و حدیث کے بعد اعلیٰ مذہبی مقام حاصل ہے۔ اس کتاب کا اجمالی تعارف حسب ذیل ہے:

حصۂ اول: خطبات

نہج البلاغہ کا سب سے پہلا اور اہم حصہ حضرت علیؓ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ ان کی کل تعداد دوسو اکتالیس (۲۴۱) ہے۔ سب سے بڑا خطبہ ۱۹۲/واں ہے، جو خطبۂ قاصعہ کے نام سے مشہور ہے اور سب سے چھوٹا خطبہ ۵۹/واں ہے۔

حصۂ دوم: خطوط

یہ حصہ حضرت علیؓ کے خطوط پر مشتمل ہے، جن کی تعداد ناسی (۷۹) ہے۔ یہ خطوط انھوں نے اپنے گورنروں، دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ قاضیوں اور زکوٰۃ جمع کرنے والوں کو لکھے تھے۔ ان میں سب سے بڑا خط ۵۳/واں ہے، جسے انھوں نے اپنے مخلص رفیق مالک اشتر کو لکھا تھا اور سب سے چھوٹا خط ۷۹/واں ہے، جسے انھوں نے فوج کے افسروں کو لکھا تھا۔

حصۂ سوم: کلمات قصار

نہج البلاغہ کا آخری حصہ چار سواسّی (۴۸۰) چھوٹے بڑے حکمت آمیز کلمات پر مشتمل ہے۔ ان کو 'کلمات قصار' کہا جاتا ہے، یعنی مختصر کلمات۔ ان کو 'کلماتِ حکمت' اور 'قصار الحکم' بھی کہا جاتا ہے۔

نہج البلاغہ کی امتیازی خصوصیات

نہج البلاغۃ محض ایک صاحبِ علم وحکمت کی گفتگو نہیں، بلکہ یہ ایک ایسے انسان

کے کلمات ہیں جس کے کندھوں پر ایک بھاری ذمہ داری ہے اور اس کی دانائی وبصیرت کلّی طور پر معارفِ قرآن سے مالا مال ہے۔ وہ اپنے آپ کو ایک ذمہ دار مقام پر فائز تصور کرتے ہوئے عوام کے سامنے بولتا ہے، ان سے سوال کرتا ہے، ان کو سوال کرنے کی کھلی دعوت دیتا ہے، سوالات کے جوابات دیتا ہے اور سننے والے کی فکر کو جھنجھوڑتا ہے۔ نہج البلاغۃ کا یہی اسلوب اسے ماسوائے قرآن دوسری کتابوں سے ممتاز کرتا ہے۔

صاحبِ نہج البلاغۃ کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے مختلف النوع مضامین کو اپنے عمدہ اسلوب میں بیان کیا ہے۔ نہج البلاغۃ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ جس حد تک انسان اور کائنات کے متعلق حقائق و واقعات اس کتاب میں ذکر کیے گئے ہیں ان سے بالاتر حقائق کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ مثال کے طور پر جہاں زہد وتقوی سے متعلق گفتگو کی گئی ہے، وہاں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملے اس شخص کی زبان سے جاری ہو رہے ہیں جس کی پوری زندگی صرف اور صرف زہد اور تقوی کے درمیان گذری ہے، اسی طرح جن مقامات پر جنگ اور مقدمات کے حوالے سے بات کی گئی ہے وہاں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ جملے اس شخص کی زبان سے جاری ہو رہے ہیں جس کی ولادت میدان جنگ میں ہوئی ہے۔ جہاں لطیف تشبیہات و کنایات کا ذکر ہے وہاں محسوس ہوتا ہے گویا ان کی تمام عمر ادب اور فنونِ لطیفہ کے درمیان گزری ہے۔ توحید کے اعلیٰ وارفع مباحث کے متعلق خطبہ ارشاد فرماتے ہیں تو تمام فلسفی گنگ ہوکر رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح حضرت علیؓ نے حکومت وسیاست کے اصول اور دنیا کی بے ثباتی کو بھی بہترین انداز میں بیان کیا ہے۔

نہج البلاغہ۔علماء و ادباء کی نظر میں

نہج البلاغۃ کی فصاحت و بلاغت کا بڑے بڑے علماء اور ادباء نے اعتراف کیا ہے۔ خلیل بن اثر نے لکھا ہے:

> ''ان نهج البلاغة هو اعظم كتاب ادبى و دينى و اخلاقى و اجتماعى بعد القرآن و الحديث النبوى، وهو احد المصادر الاربعة التى لاغنى للاديب العربى عنها و هى القرآن الكريم و نهج البلاغة و البيان و التبيين للجاحظ و الكامل للمبرد۔''[۱۰]

''نہج البلاغۃ قرآن و حدیث کے بعد ادبیات و دینیات اور اخلاقیات و سماجیات کے اعتبار سے سب سے بڑی کتاب ہے۔ یہ ان چار مصادر میں سے ایک ہے جن سے کوئی بھی عربی ادیب بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ (یعنی قرآن، نہج البلاغۃ، جاحظ کی البیان والتبیین اور المبرد کی کامل)''

مصری ادیب حسن زیات نے لکھا ہے:

"ولا نعلم بعد رسول الله فیمن سلف و خلف افصح من علی رضی اللہ عنہ فی المنطق و لاابلّ منه ریقا من الخطابة, کان حکیماً تتفجّر الحکمة من بیانه و خطیباً تتدفق البلاغة علی لسانه و واعظاً ملء السمع و القلب و مترسلاً بعید غور الحجة و متکلماً یضع لسانه حیث یشاء و هو بالاجماع اخطب المسلمین و امام المنشئن۔" ۱۱؎

''سلف و خلف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علیؑ سے زیادہ کوئی فصیح نہیں گذرا۔ ان کی ہر بات حکمت سے پر ہوتی تھی۔ پوری امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ وہ مسلمانوں میں سب سے بڑے خطیب اور ادیبوں کے امام تھے۔''

صبحی صالح نے نہج البلاغہ کے مقدمہ میں لکھا ہے:

''منذ ان تصدّی الشریف الرضی بجمع ما تفرّق من کلام امیر المؤمنین علی بن ابی طالب و اسمه نهج البلاغة اقبل العلماءو الادباء علی ذلک الکتاب بین الناسخ له یحفظ نصه فی لوح صدرہو شارح له ینسم الناس عن تفسیر اته و تالیفاته۔'' ۱۲؎

''شریف رضی نے حضرت علیؑ کے متفرق کلام کو جمع کیا ہے اور اس کا نام نہج البلاغہ رکھا ہے۔ اس وقت سے علماء و ادباء اس کتاب کی طرف متوجہ ہوئے۔ کچھ تو اس کو لکھ کر حفظ کرنے میں مصروف ہو گئے اور بعض نے اس کی تفسیر اور تعلیقات میں مشغولیت اختیار کی۔''

شیخ عبدہ نے لکھا ہے:

''لیس فی هذه اللغة الاقائل بان کلام الامام علی بن ابی طالب هو اشرف الکلام و ابلغه بعد کلام الله و کلام نبیه و اغزره مادة و

ارفعہ اسلوبا و اجمعہ لجلائل المعنی۔''[۱۳]

''ہر عربی داں (اس کتاب کے مطالعہ کے بعد یہی کہے گا کہ اللہ اور رسول کے بعد حضرت علیؓ کا کلام سب سے زیادہ بلیغ، معنی خیز اور بہترین اسلوب کا حامل ہے۔''

محمود شکری آلوسی کہتے ہیں:

''ھذا کتاب نھج البلاغۃ قد استودع من خطب الامام علی بن ابی طالب ﷺ ما ھو قبس من نور الکلام الالھی و شمس تضیی بفصاحۃ المنطق النبوی۔''[۱۴]

''نہج البلاغۃ حضرت علیؓ کے خطبات کا مجموعہ ہے۔ یہ کلامِ الٰہی کے نور کا ایک ٹکڑا اور فصاحت نبوی سے منور ایک سورج کا نام ہے۔''

حواشی و مراجع

۱۔ وفیات الاعیان، ابن خلکان، تحقیق: محمد محی الدین عبد الحمید، مکتبۃ نھضۃ المصریۃ، القاھرۃ، ۱۹۴۸ء، ۴/ ۴۸

۲۔ یتیمۃ الدھر، الثعالبی، تحقیق: محمد محی الدین عبد الحمید، دار الفکر، بدون تاریخ، ۳/ ۱۳۱

۳۔ شرح نہج البلاغہ، ابن الحدید، تحقیق: محمد ابو الفضل ابراہیم، دار الجیل، بدون تاریخ، ۱/ ۳۵

۴۔ الحضارۃ الاسلامیۃ فی القرن الرابع الھجری، آدم متز، القاھرۃ، ۱۹۵۷ئ، ص ۴۸۵

۵۔ شرح نہج البلاغۃ، ج ۱، ص ۴۱ ۶۔ وفیات الاعیان، ج ۶، ص ۴۵

۷۔ المنتظم، ابن الجوزی، حیدر آباد دکن، ط اول، ۱۳۵۸ئ، ج ۷، ص ۲۷۹

۸۔ حوالہ سابق، ص ۲۷۹ ۹۔ المنتظم، ج ۷، ص ۲۸۲

۱۰۔ تصنیف نہج البلاغۃ، لبیب بیضون، مکتب الاعلام الاسلامی ۱۴۰۸ئ، ج ۱، ص ۴۲

۱۱۔ تاریخ الادب العربی، احمد حسن الزیات، القاھرۃ، بدون تاریخ، ص ۱۸۶

۱۲۔ شرح نہج البلاغۃ، صبحی صالح، القاھرۃ، ۲۰۰۴ئ، ص ۱۸

۱۳۔ شرح نہج البلاغۃ، محمد عبدہ، طبع مصر، بدون تاریخ، ج ۱، ص ۵

۱۴۔ بلوغ الارب فی معرفۃ أحوال العرب، محمود شکری الآلوسی، تحقیق: محمد الاثری، بیروت، لبنان ۱۹۷۷ئ، ج ۳، ص ۱۸۰

***

تعارف وتبصرہ

قرآنی مطالعات (سماجی، معاشی وسیاسی مسائل کے حوالہ سے) پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی

ناشر: اسلامک فاؤنڈیشن، نئی دہلی، صفحات ۱۵۲، قیمت ۱۲۰ روپے، سنہ اشاعت ۲۰۱۴ء

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اس کا فیض تا قیامت جاری رہے گا۔ یہ علوم و معارف کا بحرِ ناپید کنار ہے۔ قرآن مجید کی تعلیمات انسانی زندگی کے جملہ شعبوں پر محیط ہیں۔ انفرادی، اجتماعی، سماجی، معاشی، سیاسی ہر پہلو سے اس میں بہترین رہ نمائی موجود ہے۔ اس کی تعلیمات ہر دور میں قابلِ عمل ہیں اور ان پر عمل کرنے میں ہی انسانوں کی بھلائی ہے۔ ان سب باتوں کا تقاضا ہے کہ قرآن مجید کی تعلیمات و ہدایات سے واقفیت حاصل کی جائے اور دوسروں کو ان سے روشناس کرایا جائے۔ انہی احساسات کے تحت فاضل مصنف نے زیرِ نظر کتاب ترتیب دی ہے۔ موصوف شعبۂ اسلامک اسٹڈیز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سابق صدر اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کو قرآنی علوم سے خصوصی دل چسپی ہے۔

زیر نظر کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے: پہلا باب قرآن مجید کے تعارف پر ہے۔ اس میں قرآن کا تعارف ان خصوصیات کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے جو خود اس کتابِ ہدایت میں مذکور ہیں، جیسے ہدایت، رحمت، فرقان، ذکر وغیرہ۔ دوسرا باب 'قرآن کے تصور احسان' پر ہے۔ اس میں اس نکتہ پر زور دیا گیا ہے کہ معاشرتی نظام کی بہتری اور اس کے استحکام کے لیے اخوت و ہمدردی، حسن سلوک اور تعاون جیسے اقدار کا فروغ پانا ضروری ہے۔ جس معاشرہ میں یہ صفات موجود ہوں گی وہاں لوگوں کے تعلقات باہم خوش گوار ہوں گے۔ تیسرا باب 'سماجی زندگی کی بہتری اور قرآنی ہدایات و تعلیمات' کے عنوان سے ہے۔ اس میں وضاحت کی گئی ہے کہ سماجی زندگی کو بہتر و خوش گوار بنانے کے لیے حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی ادائی ضروری ہے، کیوں کہ دونوں کے درمیان گہرا تعلق ہے۔ جو شخص اپنے خالق کے حقوق ادا نہ کرے اس سے

دوسروں کے حقوق کی ادائی کی توقع نہیں ہوسکتی۔ چوتھا باب 'مالی معاملات میں قرآن کے مطالبات' کے موضوع پر مشتمل ہے۔ اس میں دیانت داری، سچائی، شفافیت اور عہد و پیمان کی تکمیل، جائز ذرائعِ معاش، مال خرچ کرنے میں فضول خرچی اور اسراف سے پرہیز، لین دین میں فریب و دغابازی سے اجتناب اور معاملاتی امور میں تحریری ریکارڈ رکھنے سے متعلق قرآنی تعلیمات کی تشریح کی گئی ہے۔ پانچواں باب 'عورتوں کے معاشی حقوق -قرآن کریم کی روشنی میں' کے عنوان سے ہے۔ اس میں وضاحت کی گئی ہے کہ کن کن پہلوؤں سے اسلام نے عورتوں کے حقوق، خاص طور سے مالی حقوق کو تسلیم کیا ہے، جیسے ملکیت، وراثت، مال کمانے اور خرچ کرنے کے حقوق وغیرہ۔ اس سے حقوقِ نسواں کے معاملے میں اسلام پر وارد کیے جانے والے بعض اعتراضات کا ازالہ ہوتا ہے۔ چھٹا باب 'سیاست وحکومت اور قرآن کے رہ نما اصول' کے عنوان سے ہے۔ اس میں قرآنی آیات کی روشنی میں تصورِ سیاست، اسلامی ریاست کے اغراض و مقاصد، حکم راں کے اوصاف اور ذمہ داریوں اور حکومت کے طور طریقوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ فاضل مصنف نے اس نکتہ پر خاص طور سے زور دیا ہے کہ حکم رانی ایک امانت ہے اور دیانت داری کے ساتھ اس کا حق ادا کرنا مسلم حکم راں کے لیے ضروری ہے۔ اسلامی ریاست ایک فلاحی ریاست ہوتی ہے، اس لیے اس میں رہنے والوں کے لیے مادی اور معنوی ہر طرح کی فلاح و بہبود کا کام ہونا چاہیے۔ چنانچہ مادی و معاشی مسائل کے حل کے ساتھ ریاست سے برائیوں کے خاتمہ، ظلم و ناانصافی کا قلع قمع اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور اقامتِ دین بھی اس کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔

مجموعی طور پر یہ کتاب سماجی، معاشی اور سیاسی مسائل کے حوالہ سے قرآنی ہدایات و تعلیمات کا ایک جامع مرقع ہے۔ قرآن مجید سے خصوصی دل چسپی رکھنے والوں اور اسلام کی روشنی میں مسائل کا حل تلاش کرنے والوں کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔ (محمد جرجیس کریمی)

مسلم اسپین (تہذیبی وثقافتی تاریخ)   ڈاکٹر محمد عمر فاروق

ناشر: البلاغ پبلی کیشنز، N-1، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۲۵، سنۂ اشاعت: ۲۰۱۵، صفحات: ۳۵۷، قیمت: ۱۸۸/روپے

اسپین میں مسلم عہدِ حکم رانی، جو آٹھ سو سال کے طویل عرصے پر محیط ہے، اسلامی تاریخ کا عہدِ زریں کہلاتا ہے۔ اس سرزمین پر مسلمانوں نے اپنے دورِ حکومت میں تہذیب وتمدن اور علوم وفنون کی ایسی شمع روشن کی جس سے نہ صرف یورپ، بلکہ پورا عالم منوّر رہا۔ نقلی علوم ہوں یا عقلی، سماجی علوم ہوں یا سائنسی، تمام میدانوں میں انہوں نے اپنی برتری اور بالا دستی قائم کی۔ اسی وجہ سے بہت سے مؤرخین یورپ کی نشأۃ ثانیہ کا اصل مرکز اسپین کو قرار دیتے ہیں۔

اسپین کی تاریخ وثقافت پر متعدد کتابیں شائع ہوچکی ہیں، جیسے مولانا ریاست علی ندوی کی 'تاریخِ اندلس'، مولانا رشید اختر ندوی کی 'مسلمان اسپین میں' اور شیخ عنایت اللہ کی 'اندلس کا تاریخی جغرافیہ' وغیرہ، لیکن زیرِ نظر کتاب کی اہمیت یہ ہے کہ یہ اپنے موضوع پر بڑی جامع اور مبسوط کتاب ہے۔ اس کے مصنف ڈاکٹر محمد عمر فاروق شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ انھوں نے الجامعۃ الاسلامیۃ تلکہنا، سدھارتھ نگر، یوپی سے فراغت حاصل کرنے کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی سے اسلامک اسٹڈیز میں ایم اے اور پی ایچ ڈی کیا اور اب وہیں پر درس وتدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ فاضل مصنف کو 'مسلم اسپین' پر اختصاص حاصل ہے۔ اس موضوع پر ان کے مضامین مختلف رسائل ومجلّات میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

اس کتاب میں مسلم اسپین کی تاریخ کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ابتدا میں اسپین کی قدیم تاریخ اور وہاں کے جغرافیائی حالات بیان کیے گئے ہیں۔ پھر مسلمانوں کی آمد کے وقت وہاں کی سیاسی، سماجی، معاشی اور مذہبی صورتِ حال، مسلمانوں کے ذریعہ اسپین میں قائم کردہ صوبوں، سیاسی اور انتظامی اداروں، محکموں،

عدالتوں اور فوجی نظم ونسق، عیسائی حکومتوں، بازنطینی شہنشاہوں اور یونانی بادشاہوں سے مسلم حکم رانوں کے سفارتی تعلقات، وہاں کی آبادی اور مختلف طبقات، صنعت وحرفت، زراعت، معدنیات اور تجارت، مسلمانوں کے ذریعہ مختلف علوم وفنون کے ارتقاء اور ان کے ذریعہ تعمیر کیے گئے قلعوں، مسجدوں، مشہور شہروں اور زندگی کے دیگر شعبوں میں ہوئی ترقی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آخر میں اسپینی زبان وادب، فنون لطیفہ اور تہذیب وتمدن پر اسلامی اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

فاضل مصنف نے اس کتاب میں اسپین میں مسلمانوں کی علمی وسائنسی اور تہذیبی وتمدنی روایتوں کے نقوش کو بہ حسن وخوبی پیش کیا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ انہوں نے اس موضوع پر دست یاب بنیادی اور ثانوی تمام مآخذ سے استفادہ کیا ہے۔ بنیادی مآخذ میں مسلم اسپین پر تحریر کردہ عربی، انگریزی اور اسپینی کتابیں ان کے پیش نظر رہی ہیں۔ اس سے کتاب کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ آخر میں اشاریہ بھی شامل ہے، جس سے قارئین کو مطلوبہ مواد تک پہنچنے میں آسانی ہوگی۔

امید ہے کہ اہلِ علم اور خاص کر تاریخ اسلامی سے دلچسپی رکھنے والے اس کتاب سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے۔ (اسامہ شعیب)

عہد اورنگ زیب میں علماء کی خدمات ڈاکٹر علاؤالدین خاں

ناشر: البلاغ پبلی کیشنز، N-1، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔۲۵، ۲۰۱۳ئ، صفحات ۴۲۷، قیمت -/۳۸۰ روپے، لائبریری ایڈیشن ۴۸۰/روپے

ہندوستان کا عہد وسطیٰ تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ اس دور کی تہذیب و تمدن کو پروان چڑھانے میں جہاں سلاطین وامراء اور سیاست دانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، وہیں علماء ومشائخ اور صوفیہ کا بھی غیر معمولی کردار ہے۔ انھوں نے عوام اور حکم رانوں سے دل چسپی لی، درس وتدریس کی مجلسیں آراستہ کیں اور دینی موضوعات پر کتابیں تصنیف کیں۔ عہدِ وسطیٰ کی تاریخ ہند پر یوں تو متعدد مراجع دست یاب ہیں، جن

میں ضمناً علماء کا تذکرہ بھی آیا ہے اور ان کی خدمات پر بھی کسی قدر روشنی پڑتی ہے، لیکن ایسی کتابیں نسبتاً بہت کم ہیں جن میں خاص طور پر علماء کے کردار اور ان کی خدمات کو بحث وتحقیق کا موضوع بنایا گیا ہو۔ زیرِ نظر کتاب کے مصنف ڈاکٹر علاؤ الدین خاں، جو تقریباً دو دہائیوں سے شبلی نیشنل کالج کے شعبۂ تاریخ میں تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں، مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے مغل حکم راں اورنگ زیب کے عہد میں علماء کی خدمات کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا اور مستند اور قیمتی معلومات فراہم کیں۔

کتاب کا آغاز 'مسلمانوں کا سیاسی نظریہ' کے عنوان سے ہوتا ہے۔ اس کے تحت مسلمانوں کی پوری تاریخ پر سیاسی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ عہد نبوی اور عہد خلفاء راشدین کے سرسری ذکر کے بعد اموی اور عباسی خلافتوں اور ہندوستان میں قائم ہونے والی حکومتوں کے سلسلے میں علماء کے رویّے سے بحث کی گئی ہے۔ اگلے باب میں ہندوستان میں عہدِ سلطنت اور عہدِ مغلیہ میں علماء کی حیثیت کا بیان ہے۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ ان ادوار میں علماء کی سرگرمیاں کن کن میدانوں میں جاری تھیں؟۔

اگلا باب کتاب کے مرکزی موضوع سے بحث کرتا ہے۔ اس میں اورنگ زیب کے سیاسی نظریات بیان کیے گئے ہیں اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ وہ اپنی عملی زندگی میں شریعت کا کس حد تک پابند تھا؟۔ اس باب میں عہد عالم گیری کے بائیس (۲۲) مشہور علماء کی خدمات کا تذکرہ کر کے ان کی تصنیفات کا تعارف کرایا گیا ہے۔ کتاب کا ایک اہم باب 'فتاویٰ عالم گیری' پر ہے۔ اس میں اس کی تدوین کے اسباب، سنۂ تالیف، طریقۂ تالیف، مؤلفین، مآخذ اور مشتملات کا مبسوط تعارف (ص ۲۲۵-۳۰۴) کرایا گیا ہے۔ بہت پہلے مولانا مجیب اللہ ندویؒ نے اس موضوع پر ایک کتاب تحریر فرمائی تھی، جسے اردو میں پہلی اور مستند کتاب کہا جا سکتا ہے۔ آخر میں عہد عالم گیری کے علماء کے ہندوستانی معاشرہ پر اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

یہ کتاب تاریخِ ہند کے ایک اہم پہلو پر قیمتی معلومات فراہم کرتی ہے، مصنف

نے اردو، فارسی، عربی اور انگریزی کے تمام دست یاب مراجع سے استفادہ کیا ہے اور حوالوں کا خصوصی اہتمام کیا ہے۔ ان کی تحریر میں سنجیدگی، متانت اور تحقیقی انداز پایا جاتا ہے۔ امید ہے، علمی حلقوں میں اس کتاب کی پذیرائی ہوگی۔

(محمد رضی الاسلام ندوی)

فکر کی غلطی — مفتی عتیق احمد قاسمی بستوی

ناشر: معہد الشریعۃ، لکھنو، ob:9839776083، ۲۰۱۴ئ، صفحات: ۵۵۲، قیمت: ۳۰۰/-

اس کتاب کے مصنف مولانا عتیق احمد قاسمی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو میں حدیث وفقہ کے استاد ہیں۔ اسلامک فقہ اکیڈمی کے سکریٹری اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کے رکن ہیں۔ فقہ میں آپ کو اختصاص حاصل ہے۔ ہندوستان میں نفاذِ شریعت، زکوٰۃ کے مصارف، زکوٰۃ اور مسئلۂ تملیک، ہندوستان اور نظامِ قضا، ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کا مسئلہ، اسلامی نکاح آپ کی اہم تصانیف ہیں۔

یہ کتاب اصلاً مختلف موضوعات ومباحث پر مولانا وحید الدین خان کے افکار و خیالات کا بے لاگ محاکمہ و جائزہ ہے۔ اس کی اولین اشاعت ۱۹۹۰ء میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد ہند و پاک میں اس کے متعدد ایڈیشن منظر عام پر آئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی اور اضافوں کے ساتھ اس کی نئی اشاعت عمل میں آئی ہے۔

وحید الدین خاں صاحب کے قلم سے متعدد مفید اور قابلِ قدر کتابیں نکلی ہیں، لیکن اپنے بعض دین سے منحرف اور شاذ افکار ونظریات کی وجہ سے ان کی شخصیت مسلمانوں میں متنازعہ بن گئی۔ انھوں نے علمائے سلف، فقہاء ومجتہدین، معاصر شخصیات اور تحریکات پر سخت تنقیدیں کی ہیں۔ متعدد آیات قرآنی اور احادیث نبوی کی تشریح میں بے جا اور دور از کار تاویلوں کا سہارا لیا ہے۔ صلحِ حدیبیہ، تصورِ دین، تصورِ جہاد، علاماتِ قیامت اور مسئلۂ فلسطین وغیرہ پر ان کے افکار جمہورِ امت سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے امت میں انھیں اعتبار نہ حاصل ہوسکا۔

مولانا کے ان افکار کا متعدد اصحابِ علم نے نوٹس لیا ہے اور ان کا رد کیا ہے۔ کچھ عرصہ قبل پروفیسر محسن عثمانی نے منتخب تحریروں کا مجموعہ 'وحید الدین خاں۔علما اور دانش وروں کی نظر میں' کے عنوان سے شائع کیا تھا۔اس موضوع پر بعض مستقل کتابیں بھی لکھی گئی ہیں۔ زیر نظر کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں بہت متانت، سنجیدگی اور شائستگی کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور جذباتیت اور اشتعال انگیزی کو کہیں بھی راہ نہیں دی گئی ہے۔وحیدالدین خاں صاحب کے انحرافات کو علمی انداز میں سمجھنے میں اس سے مدد ملے گی۔کتاب کے بعض مباحث پر تفصیلی اظہارِ خیال کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، لیکن اس کا یہ موقع نہیں ہے۔کتاب میں فاضل مصنف کی وحید الدین خاں صاحب سے مراسلت بھی شامل ہے، جو دل چسپی کا باعث ہوسکتی ہے۔(م۔ر)

دینی رسائل کے اشاریے — محمد شاہد حنیف

۱۔ اشاریہ شش ماہی مجلہ علوم القرآن، علی گڑھ (۱۹۸۵-۲۰۱۰ئ)

ناشر: الاشراق پبلی کیشنز، لاہور، صفحات: ۴۰

۲۔ اشاریہ ماہ نامہ فقہ اسلامی، کراچی (اپریل ۲۰۰۰-دسمبر ۲۰۱۳ئ)

ناشر: اسلامک فقہ اکیڈمی، کراچی، ۲۰۱۴ئ، صفحات: ۱۱۱

۳۔ اشاریہ ماہ نامہ الرحیم/ الولی حیدرآباد، پاکستان (جون ۱۹۶۳ئ-جون ۲۰۰۷ئ)

ناشر: علامہ غلام مصطفی قاسمی چیر، سندھ یونی ورسٹی، جام شورو، پاکستان، ۲۰۱۲ئ، صفحات: ۲۱۴

موجودہ دور میں اشاریہ سازی کے فن کو بہت اہمیت دی جانے لگی ہے۔اس کے ذریعے مطلوبہ مواد تک رسائی بہت آسان ہوجاتی ہے اور محقق کا خاصا وقت بچ جاتا ہے۔ جناب محمد شاہد حنیف صاحب کا شمار پاکستان کے مشہور اشاریہ سازوں میں ہوتا ہے۔ وہ اب تک ہند و پاک کے چالیس سے زائد دینی، علمی، فقہی، ادبی اور تحقیقی رسائل و جرائد کے اشاریے مرتب کر چکے ہیں۔انھیں اشاریہ سازی کے فن میں مہارت

حاصل ہے۔ان کے مرتب کردہ اشاریے اہل علم وتحقیق کے لیے بڑے معاون ہیں۔

اس وقت تین مجلّات کے اشاریے پیش نظر ہیں۔شش ماہی مجلہ علوم القرآن ادارۂ علوم القرآن علی گڑھ کا ترجمان ہے۔اس میں صرف تفسیر وعلوم قرآن سے متعلق مقالات شائع کیے جاتے ہیں۔یہ ۱۹۸۵ء سے پابندی سے نکل رہا ہے۔اس اشاریہ میں ۲۰۱۰ء تک کے شماروں کا احاطہ کیا گیا ہے۔دوسرا مجلہ ماہ نامہ فقہ اسلامی ہے، جو اسلامک فقہ اکیڈمی کراچی کا ترجمان ہے۔یہ فقہی موضوعات کے لیے خاص ہے۔یہ ماہ نامہ اپریل ۲۰۰۰ء سے پابندی سے شائع ہورہا ہے۔اس اشاریہ میں ۲۰۱۳ء تک کا احاطہ کیا گیا ہے۔تیرا مجلہ ماہ نامہ الرحیم ہے، جو شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ کا ترجمان تھا۔یہ مجلہ جون ۱۹۶۳ء سے اگست ۱۹۶۸ء تک حیدرآباد سے نکلا۔پھر اس کا احیاء ماہ نامہ'الولی' کے نام سے ہوا اور وہ اپریل ۱۹۷۲ء سے جون ۲۰۰۷ء تک نکلتا رہا۔اس اشاریہ میں الرحیم اور الولی کے تمام شماروں کا احاطہ کیا گیا ہے۔

ان مجلّات کے اشاریوں کو موضوع وار اور مصنف وار دونوں اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے۔

جناب شاہد حنیف صاحب نے دیگر علمی وتحقیقی رسائل کے بھی اشاریے مرتب کیے ہیں۔ان میں ماہ نامہ محدث لاہور، ماہ نامہ ترجمان القرآن لاہور، ماہ نامہ الحق اکوڑہ خٹک، ماہ نامہ الشریعہ گوجرانوالہ، ماہ نامہ میثاق لاہور، ماہ نامہ حکمتِ قرآن لاہور کے اشاریے قابلِ ذکر ہیں۔تحقیقات اسلامی کا راقم سطور کا مرتب کردہ اشاریہ ۲۰۰۶ء کے آخری شمارہ (اکتوبر۔دسمبر) میں شائع ہوا تھا۔شاہد حنیف صاحب نے اسے بھی از سرنو مرتب کیا ہے اور اپنے اشاریہ میں اب تک کے تمام شماروں کا احاطہ کرلیا ہے۔

امید ہے، ان کے مرتب کردہ اشاریوں کی علمی دنیا میں پذیرائی ہوگی اور ان سے بھرپور استفادہ کیا جائے گا۔ (م۔ر)

خبر نامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی (۵۵)

☆ الحمدللہ تحقیقات اسلامی کو علمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔اس سے پہلے ذکر آچکا ہے کہ مولانا آزاد نیشنل یونی ورسٹی حیدرآباد کے شعبۂ ترجمہ میں اس میں شائع ہونے والے تراجم پر ایک صاحب ایم فل کر رہے ہیں۔اب معلوم ہوا ہے کہ جناب کاشف رضا نے شعبۂ علوم اسلامیہ وعربی، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد (پاکستان) کے تحت مجلہ تحقیقات اسلامی کی خدمات کا تجزیاتی مطالعہ کے عنوان سے تحقیقی مقالہ تیار کیا ہے۔اس پر انھیں مارچ ۲۰۱۵ء میں ایم فل (علوم اسلامیہ) کی ڈگری تفویض کی گئی ہے۔یہ مقالہ انھوں نے شعبہ کے اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر شیر علی کی نگرانی میں تیار کیا ہے۔

☆ صدر ادارۂ تحقیق وامیر جماعت اسلامی ہند مولانا سید جلال الدین عمری سیرتِ نبوی کے موضوعات پر بھی برابر لکھتے رہے ہیں۔حال میں ان مقالات کا ایک ضخیم مجموعہ دیدہ زیب طباعت کے ساتھ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی سے 'اوراقِ سیرت' کے نام سے شائع ہوا ہے۔اس کتاب میں سیرت کے بعض اہم پہلوؤں پر پہلی مرتبہ شرح وبسط کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔صفحات: ۳۸۴، قیمت: ۲۵۰/- روپے

☆ 'اسلام کی دعوت' مولانا عمری کی مقبول کتابوں میں سے ہے۔اس میں بہت مؤثر اور آسان اسلوب میں کارِ دعوت کی تشریح کی گئی ہے اور داعیوں کے اوصاف بیان کیے گیے ہیں۔اس کتاب کے اب تک گیارہ (۱۱) ایڈیشن طبع ہو چکے تھے۔حال میں اس کا نیا ایڈیشن مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی سے شائع ہوا ہے۔صفحات: ۳۴۴، قیمت/- ۲۰۰ روپے۔

☆ مولانا عمری کے بعض اور کتابچوں کے نئے ایڈیشن منظر عام پر آئے ہیں: انسانوں کی خدمت اسلام کی نظر میں، صفحات: ۲۴، قیمت/- ۱۶ روپے، دینی علوم کی تدریس، صفحات: ۲۴، قیمت/- ۱۴ روپے، نفقۂ مطلقہ ایک علمی جائزہ، صفحات: ۳۲، قیمت: ۱۶/- روپے، دولت میں خدا اور بندوں کا حق، صفحات: ۲۴، قیمت/- ۱۶ روپے۔

☆ ۲۶ جنوری ۲۰۱۵ء کو صدرِ ادارہ علی گڑھ تشریف لائے تو وابستگانِ ادارہ نے

ان کے ساتھ نشست کی اور ان سے استفادہ کیا۔

☆ اسلامک فقہ اکیڈمی نئی دہلی اور شعبۂ اسلامک تھیالوجی، عالیہ یونیورسٹی کلکتہ کے اشتراک سے 'تکثیری معاشرہ، اسلام اور مسلمان' کے موضوع پر ایک بین الاقوامی کانفرنس ۱۳-۱۵/مارچ ۲۰۱۵ء کو کلکتہ میں منعقد ہوئی۔ رکنِ ادارہ مولانا محمد جرجیس کریمی نے اس کے لیے 'مشترکہ انسانی مسائل، تکثیری معاشرہ اور اسلامی تعلیمات' کے موضوع پر مقالہ تحریر کیا تھا، لیکن خرابیٔ صحت کی وجہ سے اس میں شرکت نہیں کر سکے۔

☆ ۸/مارچ ۲۰۱۵ء کو ادارہ کے سلسلۂ توسیعی خطبات کے تحت شعبۂ سیاسیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے چیرمین پروفیسر اثمر بیگ نے 'عصر حاضر میں مسلمانوں کو درپیش چیلنجز' کے عنوان پر اپنا وقیع خطبہ پیش کیا۔ اس میں یونیورسٹی کے طلبہ واساتذہ کے علاوہ دیگر اہل علم نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔

☆ ۸/فروری ۲۰۱۵ء کو ادارہ کی مجلسِ علمی کا اجلاس ادارہ کے کونسل روم میں منعقد ہوا۔ اس میں مختلف امور پر تبادلہ خیال کیا گیا اور آئندہ کے لیے منصوبہ بندی کی گئی۔

☆ ۲۹/مارچ ۲۰۱۵ء کو ڈاکٹر محمد رفعت (رکن مجلس منتظمہ ادارۂ تحقیق و مدیر ماہ نامہ زندگی نو نئی دہلی) علی گڑھ تشریف لائے تو ان کے ساتھ ادارہ کے وابستگان کی ایک خصوصی نشست کا اہتمام کیا گیا، جس میں ادارہ کے اراکین اور زیر تربیت اسکالرس نے موصوف سے اپنے علمی کاموں اور موضوعات پر تبادلۂ خیال اور استفادہ کیا۔

☆ ۱۲/فروری ۲۰۱۵ء کو ادارہ میں ایک نشست ہوئی، جس میں ادارہ کے زیر اہتمام مجوزہ ہاسٹل کی منصوبہ بندی کی گئی۔ الحمد للہ اس وقت ہاسٹل میں آٹھ طلبہ قیام پذیر ہیں۔

☆ فروری ۲۰۱۵ء کے وسط میں سکریٹری ادارہ نے بیرون ملک کا دورہ کیا اور ادارہ کا تعارف کرایا۔

☆ مارچ ۲۰۱۵ء کے اواخر میں رکنِ ادارہ مولانا ضمیر الحسن فلاحی نے ادارۂ تحقیق اور مجلہ تحقیقات اسلامی کے تعارف وسرکولیشن کی غرض سے ریاست تمل ناڈو کے مخصوص شہروں کا دورہ کیا۔ الحمد للہ یہ دورہ کام یاب رہا۔

ISSN:2321-8339

Organ of Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami

Quarterly

TAHQEEQAT-E-ISLAMI
ALIGARH

Vol. 34 No.2

April - June 2015

Editor

Syed Jalaluddin Umari

Asstt. Editor

Mohammad Raziul Islam Nadvi

Nabi Nagar (Jamalpur), P.O. Box: 93
ALIGARH - 202 002 (INDIA)
www.tahqeeqat.net Email: tahqeeqat@gmail.com

CONTENTS

1. **The Role of Islam in the Shaping of Culture and Politics**
Syed Jalaluddin Umari 5

2. **The Role of Judiciary in Islamic Legislation**
Dr Maqbool Hasan 17

3. **Qur'anic Guidelines for Plural Society**
Dr. Mohammad Raziul Islam Nadvi 29

4. **The Sources of Income of the Government and Basic Principles of Its Collection**
Dr. Sa'dia Gulzar 53

5. **The Status of Woman in Western and Islamic Cultures** [A Study of the Thoughts of Maryam Jameelah]
Ms. Najmus Sahar 73

6. **Concept of Economy in the Works of Iqbal**
Dr. Ali Mohammad 85

7. **Syed Sharif al-Razi and His Book *Nahjul-Balaghah***
Mr. Abu Talha 101

8. **Book Reviews** 111

9. **Activities of Idara-e- Tahqee-o-Tasneef-e-Islami** 119

Abstract of the Articles

The Role of Islam in the Shaping of Culture and Politics

By Maulana Syed Jalaluddin Omari
Amir Jamaat-e-Islami Hind
& President Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami, Aligarh

Maulana Syed Jalaluddin Omari delivered the keynote speech on the central theme of a seminar hosted by Idara-e-Tahqeeq-o- Tasneef-e-Islami on 23 and 24 February 2014. This speech is being presented here in the form of an article.

The Maulana said there is very close relationship between culture and politics. In the present age, this is an important and live subject at the international level and discussion are going on its various aspects. The culture of a nation means its religious views, traditions, customs, practices, dress, modes, congregations, marriage parties, games and sports, entertainment, literature, witticisms and anecdotes. The foundation of Islam lies on the beliefs of Monotheism, Prophethood and the Day of Judgement. Its culture also grows on this very foundation. Islam does not sanction nudity and obscenity in the name of culture. It has provided principled guidanlines for eating and drinking as well as dress.

Likewise, Islam has its own political theory and a political system. In Islam sovereignty rests with Allah the Exalted alone. It has given beliefs and a system of life based thereon, which it calls Shari'ah. It has enjoined the believers to follow the Shari'ah in its totality. Protection of basic human rights, freedom of thought and expression, elimination of evils from society, inviting people to virtues and forbidding them from vices, establishment of equity and justice, and equality are the fundamentals which provide bases for Islamic politics. Political restlessness found in the world at present, the way powerful nations are exploiting weak nations, and the threats to world peace are giving way to the feeling that there is some fault in the existing political system which should be removed. Islam provides an alternative in this field. This is the point we should emphasise.

TheRoleofJudiciaryinIslamicLegislation

By Dr Maqbool Hasan
Chairman Dept. of Islamic Studies, Karachi
maqboolhassan313@gmail.com

Justice and Judicial System are integral parts of each other and Law is basis for this system. Although Judiciary aims substantially not to legislate, it cannot be aloof from the legislative process. In many cases, judges have to formulate rules and regulations during the trial of cases where statutory law is quiet or there is any flaw in the prescribed law. Moreover, judges are to supervise the statutory laws as well as to interpret laws and statutes on many occasions. In future, these judicial rulings can be used as legal precedents. Hence Judiciary has three types of role in legislation i.e., original and direct role when there are no existing statutes and laws; interpretational role when some ambiguous statutes/ laws need judicial interpretations; and, the role to supervise statutory laws enacted by the legislative forums/ constitutional assemblies. So Judiciary has an important role in the legislative process.

Qur'anicGuidelinesforPluralSociety

By Dr. Mohammad Raziul Islam Nadvi
Secretary Tasneefi Academy,
Jamaat-e-Islami Hind, New Delhi
mrnadvi@yahoo.com

One of the objections levelled against the Qur'an is that it teaches separatism; that it wants its believers to keep from the followers of other religions; that its teachings are an obstacle in the way of communal harmony. Efforts are made thus to give the impression that Islam is not suitable for plural society. Not only this, but, going a step ahead, it is also claimed that some verses of the Qur'an enjoin its believers to fight and be at war with the followers of other religions. This impression about the Qur'an is not proper. It is true that the

Qur'an has drawn a line of distinction between a Muslim (believer) and a Kafir (unbeliever); but this differentiation does not leave any impact on human rights and social contacts. The guidelines the Qur'an gives for the establishment of an exemplary society will be applicable to all people, whether Muslim or Non-Muslim.

This paper tells us that the Qur'an enjoins to uphold equity, justice and broadmindedness in maintaining relationship with parents, kinfolks and neighbours, in extending cooperation to the poor and needy, and in behaving ourselves with all persons in society, irrespective of their faith and creed. Besides, the Qur'anic guidelines not to befriend Non-Muslims and fight and kill the opponents have been dealt with in their proper contexts and respective backgrounds, and their real intent and meaning have been brought to light.

The Sources of Income of the Government

and Basic Principles of Its Collection

[in the Light of Islamic Teachings]

By Dr. Sa'dia Gulzar

Lecturer Deptt. of Islamic Studies

Lahore College for Women University, Lahore

sadiagulzar_iswu@yahoo.com

The Sources of Income of an Islamic Government include Zakaat, Ushr, Khiraj, Jizya, Maal Fai, Khums, A'tiyat, Awqaf and tax. However, it is necessary that these should be collected according to the need. Unnecessary burden on the public is strictly prohibited.

Important sources of income of the Government are Zakaat and Ushr. Muslim citizens pay them as a matter of their religious obligation, and believe that by doing so their wealth is purified here in the world and in the hereafter they will deserve awards from Allah the Exalted. As per the Islamic teachings, business in haram articles is prohibited; therefore, no revenue can be collected therefrom. In the Islamic Government, justice is maintained in the collection of

revenue. It does not levy unnecessary tax on its citizens, and collects only whatever is due - that too keeping in view their facility. Islam has laid much emphasis on integrity and trustworthiness, and condemned bribery and breach of trust in stringent terms and enjoined to keep from it.

The Status of Woman in Western and Islamic Cultures [A Study of the Thoughts of Maryam Jameelah]

By Ms. Najmus Sahar
Research Scholar, Dept. of Islamic Studies,
Jamia Hamdard, New Delhi
najmu.sahar@gmail.com

The journey of Maryam Jameelah, since childhood to adolescence and from Judaism to Islam, is very inspiring. Her sacrifices for Islam are numerous and precious. Maryam Jameelah (formerly Margaret Marcus) was born in 1934 in New York, America. She grew in a typical American environment. She heard Arabic music over the radio which pleased her so much that she was determined to hear more. She came to love the sound of Arabic even though she could not understand it. She used to love Umme Kulthum recitation, the operas and the symphonies. After reading the Qur'an she accepted Islam and moved to Pakistan to follow Islam properly, because she could not be able to follow it in the American society. She spent her life in writing amazing books. She has penned over thirty books on Islamic culture and history though she became a prominent female voice. She passed away in Lahore, Pakistan on 31 October 2012.

She did not support feminism. According to her, feminism is an unfair ideology for women. Men and women cannot be equal. They are separate human beings and their deeds are different. They are like a rose and a jasmine; both flowers have their own smell and beauty. Islam gives suitable status to women and women can enjoy life only under the shade of Islam. Maryam Jameelah tried to answer all evil questions of western critics about the status of women in Islam. She advised Muslim women not to go onto the path of the west because it's not worth it. The success of a Muslim woman is to be a good mother, wife and to teach her children good Islamic values.

Concept of Economy in the Works of Iqbal

By Dr. Ali Mohammad
Asst. Professor, Dept. of Islamic Studies
Islamic Uni. of Sci. & Tech., Awantipora, Kashmir
alimohd1265@gmail.com

The capitalist section got dominance after the Industrial Revolution. This period is of much importance for Indian Muslims. In this period Allama Iqbal appears with his multifaceted personality. He wrote *Ilm al-Iqtasad*, in prose, which bears deep impact of classical ideologies. Besides, he has expressed with different economic references in his poems as well. He has expressed concern over the wretched condition of Indian Muslims, and emphasised on promotion of education to remove their poverty. He encouraged Muslims to make tireless strivings and told them to shun laziness and indolence. He has made a very interesting explanation of the Islamic concept of equality, and presented the right Islamic perspective of the ownership of land. In his poetry, Iqbal throws light on the demerits of the capitalistic system. But this does not mean that he advocates socialism. The fact is that he has presented Islamic teachings as the solution to human problems and inconsistencies.

Syed Sharif al-Razi and His Book *Nahj al-Balaghah*

By Mr. Abu Talha
Research Scholar, Department of Arabic,
Aligarh Muslim University, Aligarh
abutalhaalig@gmail.com

There was extraordinary development in the fields of literature and civilization in the fourth Hijri (10th Gregorian) century despite political and mass conflicts. A famous name from among the litterateurs, who held authority in the fields of prose and poetry both in that age, is that of Syed Sharif al-Razi (359-406 H.).

The father of Sharif al-Razi held a high post during the reign of Izz al-Dawla. He got his son educated by the best Ulama. Therefore, Sharif al-Razi got expertise in the various arts and other branches of knowledge at a very early age. He was a benevolent, brave, contented, religious and noble person. He is famous as a jurist, Aalim, lexicographer and

poet. He has more than one dozen books to his credit but the book that earned him fame most is *Nahj al-Balaghah*. This is a collection of lectures, narrations, sayings, wills, sermons and letters of Hazrat Ali ibn Abi Talib. Famous Ulama have written treatises on it in every age. There are more than one hundred treatises written on it so far. Many Ulama and litterateurs have paid tribute to it.

This paper throws light on the life of Syed Sharif al-Razi as well as on the salient features of *Nahj al-Balaghah*, introduces its contents and mentions the position this book holds in the eyes of Ulama and litterateurs.

BOOK REVIEWS

1. *Qurani Mutalaat* (Quranic Studies) Prof. Zafarul Islam Islahi, 2014, Pages: 152, Price IR 120/-
   Reviewed by Mohammad Jarjees Karimi
2. *Muslim Spain- Tahzibi wa Saqafati Tarikh* (Muslim Spain-Cultural History) Dr. Mohammad Umar Farooque, 2015, Pages: 357, Price IR 188/-
   Reviewed by Mr. Osama Shuaib
3. *Ahde Aurangzeb men Ulama ki Khidmaat* (Contributions of Ulama in Aurangzeb's Period) Dr. Alauddin Khan, 2013, pages 427 , Price IRs.380/-
   Reviewed by Mohammad Raziul Islam Nadvi
4. *Fikr ki Ghalati* (Derailed Thought) Mufti Atique Ahmad Qasmi Bastavi, 2014, pages 552 , Price IRs.300/-
   Reviewed by Mohammad Raziul Islam Nadvi
5. *Dini Rasael ke Isharive* (Indexes of Religious Journals) Mr. Mohammad Shahid Hanif,
   1- Index of *Uloomul Quran* Biannual Aligarh, Al-Ishraque Publications Lahore, Pages 40,
   2- Index of *Fiqhe Islami* monthly Karachi (April 2000-Dec. 2013) Islamic Fiqh Academy Karachi, Pages 111
   3- Index of *Al-Raheem/Al-Wali* Hyderabad (Pak) Allama Ghulam Mustafa Qasmi Chair, Sindh Universty, pages 214
   Reviewed by Mohammad Raziul Islam Nadvi

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کے منصوبہ کے تحت تیار کردہ

۲ اہم کتابیں

اسلام کی امتیازی خصوصیات ..... مولانا محمد جرجیس کریمی

اس کتاب میں مصنف نے اسلام کی چند اہم اور نمایاں خصوصیات کا مطالعہ پیش کیا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں اسلام کی خصوصیات اور محاسن کی تلاش اور مطالعہ کا رجحان پیدا ہو اور اس پر ان کا اعتماد و ایمان بھی بحال ہوتا کہ وہ اپنے دین کی حقانیت اور ہمہ گیری کے بارے میں کسی شک وشبہ میں مبتلا نہ ہوں۔

● سائز: $\frac{23 \times 36}{16}$ ● صفحات: 212 ● قیمت: 100.00

حضرت ابراہیمؑ - امامِ انسانیت ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

اس کتاب میں ابوالانبیاء خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی داعیانہ زندگی اور دعوتی وتبلیغی جدّ وجہد کا ایک جامع مرقع پیش کیا گیا ہے اور ملّتِ ابراہیمی کے بنیادی عناصر، ملّتِ ابراہیمی کے حاملین، ملّتِ ابراہیمی سے انحراف، ملّتِ ابراہیمی اور اسلام، نصاریٰ اور ملّتِ ابراہیمی جیسے اہم موضوعات پر محققانہ اور داعیانہ بحث کی گئی ہے۔ ایک ایسی جامع اور تحقیقی کتاب جو ملّتِ ابراہیمی سے متعارف کرانے کے ساتھ اسوۂ ابراہیمی سے بھی روشناس کراتی ہے۔

● سائز: $\frac{23 \times 36}{16}$ ● صفحات: 200 ● قیمت: 85.00

ملنے کے پتے

۱۔ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، نئی نگر، پوسٹ بکس ۹۳، علی گڑھ۔ ۲

۲۔ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز D-307 ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵

اوراقِ سیرت

مولانا سید جلال الدین عمری

اس کتاب میں سیرتِ نبوی کے بعض اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی اور تعلیمات کو ابدی ہدایت و رہ نمائی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، مختصر سیرت، سیرت دلیل رسالت، ختم نبوت، انفرادی دعوت، دعوت عام، صحابہ کرام کے قبول اسلام کے بعد آزمائشیں اور صبر و ثبات، مواخاتِ مکہ، ہجرت حبشہ، غیر مسلم سردارانِ قبائل کا تعاون، ہجرتِ مدینہ کی تاریخی اہمیت، صلح حدیبیہ، مختلف علاقوں میں تبلیغی کوششیں، دعوتی مکاتیب نبوی اور عرب کے وفود دربار رسالت میں، جیسے عناوین پر تحقیقی انداز میں اظہار خیال کیا گیا ہے۔ آخر میں دنیائے علم پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات، فروغ علم کے لیے آپ کے اقدامات اور اصحاب صفہ کے تعلیمی و معاشی احوال زیر مطالعہ آئے ہیں۔

اس کتاب میں سیرت کے بعض موضوعات پر پہلی مرتبہ شرح و بسط کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ ان کے مطالعہ سے ذاتِ نبوی سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور آپ کے نقش قدم کی پیروی کا جذبہ ابھرتا ہے۔

● سائز : $\frac{23 \times 36}{16}$ ● صفحات: 384 ● قیمت: 250.00

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

D-307,Dawat Nagar,Abul Fazl Enclave,Jamia Nagar,New Delhi-110025
Phone: 26981652,26984347 Fax: 26987858
E-mail: mmipublishers@gmail.com • Website: www.mmipublishers.net